باپ کے خط بیٹی کے نام

جن میں

زمین اور دُنیا کے بننے، جانوروں اور آدمیوں کے

پیدا ہونے، بسنے اور بڑھنے کا حال بچّوں کو بتلایا گیا ہے

(اسکولوں کے لئے)

از

جواہر لال نہرو

مترجمہ

محمد خلیل الرحمٰن

پرنٹرز اینڈ پبلشرز

الہ آباد لا جرنل پریس

الہ آباد

یہ خط اندرا کے نام لکھے گئے تھے
ان خطوں کے مجموعے کو بھی میں اُن
ہی کے نام سے معنون کرتا ہوں۔

تمہید از مُصنّف

تین برس ہوئے، ۱۹۲۸ء کی گرمی کے موسم میں میری بیٹی اندرا کوہ ہمالیہ کی بلندی پر مسوری میں تھی، اور میں الٰہ آباد کے میدان کی پستی میں۔ اُسی وقت یہ خطوط میں نے اُسے لکھے تھے۔ یہ نجی خطوط تھے کہ ایک دس برس کی چھوٹی سی لڑکی کے نام لکھے گئے تھے۔ لیکن اُن دوستوں نے جن کی رائوں کی میں قدر کرتا ہوں۔ ان خطوط میں کوئی ایسی خوبی دیکھی کہ مجھے یہ مشورہ دیا کہ ان کو اور بھی زیادہ لوگوں کو دیکھنے کا موقع دوں۔ میں نہیں جانتا کہ ان خطوں کو اور لڑکے اور لڑکیاں بھی پسند کریں گی یا نہیں۔ مگر مجھے یہ اُمید ہے کہ جو کوئی ان کو پڑھے گا۔ وہ آہستہ آہستہ یہ ضرور سوچنا شروع کرے گا کہ ہماری یہ دُنیا ایک ہی خاندان، مگر بہت سی قوموں کا مجموعہ ہے۔ مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ کسی قدر اندیشے کے ساتھ ہو کہ وہ ان کو پڑھکر کچھ نہ کچھ ضرور خوش ہوں گے بالکل اسی طرح جیسے ان کو لکھتے وقت میں خوش ہوتا تھا۔

ان خطوں کا سلسلہ یکایک ختم ہو جاتا ہے۔ گرمی کے لمبے دن ختم ہو گئے اور اندرا کو پہاڑ پر سے اُتر آنا پڑا۔ اگلے سال، ۱۹۲۹ء میں نہ اُسے مسوری ملی؛ نہ کوئی اور پہاڑ۔ آخری تین خطوط میں ایک نئے ہی زمانے کی بحث چھیڑی ہے۔ یہ تینوں خط بجائے خود، غیر موزوں سے ہیں مگر میں نے اُن کو اس لئے اس کتاب میں شامل کر دیا ہے کہ شاید مجھے ان پر کچھ اضافہ کرنے کا موقع مل جائے۔

مجھے اس کا احساس ہے کہ چونکہ یہ خطوط انگریزی زبان میں ہیں، اِن کے ناظرین کا حلقہ محدود ہو گا۔ اب میں اس کا صرف یہ علاج کر سکتا ہوں کہ ان کا ترجمہ کرا دوں۔ چنانچہ ہندی ترجمہ تیار ہو رہا ہے، اور بہ شرط خیریت جلد دنیا کے سامنے آ جائے گا۔*

الٰہ آباد۔ نومبر ۱۹۲۹ء

---

* ہندی ترجمہ بہت دن ہوئے کہ شائع ہو چکا۔ یہ اُردو ترجمہ بھی شائع کیا جا رہا ہے (الٰہ آباد لا جرنل پریس)

اس کتاب میں کیا کیا، کہاں کہاں لکھا ہے

(۱)

دُنیا خود ایک کتاب ہے

جب تم میرے پاس ہوتی ہو تو تم مجھ سے بہت سی باتیں پوچھا کرتی ہو، اور میں تمھیں اُن کا جواب دینے کی کوشش کیا کرتا ہوں۔ اب تم مسوری میں ہو، اور میں الہ آباد میں، تو اس طرح بات چیت نہیں ہو سکتی، جیسے پاس بیٹھے ہوتی تھی۔ اب یہ ارادہ ہے کہ میں تمھیں کبھی کبھی، تھوڑے سے لفظوں میں اس دنیا کی، جس میں ہم تم رہتے ہیں، اور اُن بہت سے چھوٹے بڑے مُلکوں کی جن سے مل کر یہ اتنی بڑی دنیا بنی ہے، کچھ باتیں لکھتا رہا کروں گا تم نے ہندوستان اور انگلستان کی تھوڑی بہت تاریخ پڑھی ہے۔ انگلستان تو ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ ہندوستان بڑا ملک سہی، لیکن ساری دُنیا کے سامنے تو بہت ہی چھوٹا ہے اگر ہم اپنی دُنیا کا کچھ حال معلوم کرنا چاہیں تو ہم کو صرف اس ایک چھوٹے سے ملک ہی کا خیال نہیں کرنا چاہیے۔ جہاں ہم پیدا ہوئے ہیں، بلکہ اُن سارے ملکوں اور سارے آدمیوں کی طرف بھی دھیان کرنا چاہیے جو اس دنیا میں رہتے ہیں۔

ڈر یہ ہے کہ میں خطوں میں تمھیں بہت ہی کم باتیں بتلا سکتا ہوں۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ جو کم باتیں بھی تمھیں بتلاؤں گا وہ بھی تم کو عجیب سی معلوم ہوں گی اور ان سے تمام دنیا اور اُن دوسرے لوگوں کا دھیان آئے گا۔

جو ہمارے ہی جیسے کسی ملک میں رہتے ہیں، اور ہمارے بھائی بہن ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اسی دنیا کے کسی اور ملک میں رہتے ہیں۔ جب تم بڑی ہوگی تو تم اس زمین اور اس کے رہنے والوں کا حال موٹی موٹی کتابوں میں پڑھوگی، تو تمھیں وہ حال اُن کہانیوں سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوں گے، جو تم نے سُنی یا پڑھی ہوں گی۔

یہ تو تم کو خوب معلوم ہے کہ ہماری یہ زمین پرانی ہے، بہت ہی پرانی، لاکھوں برس پرانی۔ بہت دنوں۔ شاید ہزاروں برس۔ یہ خالی پڑی رہی تھی۔ نہ اس میں کوئی مرد رہتا تھا، نہ عورت۔ آدمیوں سے پہلے اس میں صرف جانور بستے تھے۔ جانوروں سے بھی پہلے اس زمین پر ایسی حالت گذری تھی کہ اس کے اوپر کوئی جاندار بھی نہیں رہتا تھا۔ یہ بات مشکل سے خیال میں آئے گی کہ وہ دنیا، جو اس وقت ہر قسم کے جانوروں اور ہر طرح کے آدمیوں سے بھری پڑی ہے، کسی وقت بالکل خالی پڑی رہی ہوگی۔ لیکن بڑے بڑے عالم اور وہ لوگ جنھوں نے اس دنیا کی حالت پر غور کیا اور سوچا ہے، ہمیں بتلاتے ہیں کہ اس زمین پر ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ جب یہ اتنی گرم تھی کہ کوئی جاندار اس زمین پر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر ہم ان عالموں کی کتابیں پڑھیں اور پہاڑیوں اور ان پرانے جانوروں کی ہڈیوں کو غور سے دیکھیں، جو پتھر بن کر رہ گئی ہیں تو تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ضرور ایسا ہی ہوگا۔

تم نے جو تاریخیں پڑھی ہیں وہ بنی بنائی کتابوں میں پڑھی ہیں۔ لیکن پُرانے زمانے میں جب آدمی ہی نہ تھا تو کتابیں کیسے لکھی جا سکتی تھیں۔ پھر ہمیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان دنوں کیا ہوا تھا؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم چُپ چاپ بیٹھ کر سب باتوں کو معلوم کر لیں۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت ہی عجیب بات ہوتی کہ چُپ چاپ بیٹھے، جو چاہا سوچ لیا اور بڑی مزیدار پریوں کی سی کہانیاں لکھ ڈالیں۔ لیکن ذرا سوچو تو سہی کہ جو کہانیاں تم اس طرح

بناؤگی وہ سچی بھی ہوں گی؟ اُن کی کوئی جڑ بنیاد تو ہوگی ہی نہیں، پھر سچی کیسے ہوسکتی ہیں، ہم نے مان لیا کہ اتنے بڑے پرانے زمانے میں کتابیں نہیں لکھی جاتی تھیں، لیکن قسمت اچھی ہے کہ ہمارے سامنے ایسی چیزیں موجود ہیں، جو ہم کو بہت سی باتیں اس طرح بتلاتی ہیں جیسے کتابیں۔ کتابیں نہ سہی ہمارے سامنے پہاڑ ہیں، پہاڑ کی چٹانیں ہیں، سمندر ہیں، تارے ہیں، دریا ہیں، جنگل بیابان ہیں اور پرانے زمانے کے جانوروں کی پتھر بنی ہوئی ہڈیاں ہیں۔ یہ اور اسی طرح کی اور چیزیں، ہماری وہ کتابیں ہیں جن میں ہم زمین کا قصہ پڑھتے ہیں۔ اس قصے کو سمجھنے کی صرف یہی ترکیب نہیں ہے کہ اس کو کسی دوسرے کی لکھی ہوئی کتابوں میں پڑھیں، بلکہ اصل ترکیب یہ ہے کہ ہم دنیا کی اس کتاب کو پڑھیں، جو ہمارے سامنے کھلی رکھی ہے۔

مجھے امید ہے کہ تم بہت جلد یہ قصہ چٹانوں اور پہاڑوں کی کتاب سے پڑھنا سیکھ جاؤگی۔ ذرا خیال تو کرو کہ تمھیں کیسا عجیب معلوم ہوگا! پتھر کی چھوٹی سی چھوٹی کنکریاں جو تمھارے راستے میں، یا پہاڑ کے پاس پڑی ہیں وہ قدرت کی کتاب کے ورق ہیں، اگر تم اس کو پڑھنا جان جاؤ تو وہ تم کو اس قصے کا کوئی حصہ بتلا سکیں گے۔ تم کوئی زبان، اردو یا ہندی یا انگریزی پڑھنا چاہو تو پہلے تم کو اس کی الف، بے، تے پڑھنی پڑے گی۔ اس دنیا کی کتاب کی بھی پہلے الف، بے، تے پڑھو تو تم پہاڑوں اور چٹانوں پر لکھے ہوئے زمین کے قصے کو پڑھ سکوگی۔ شاید اس وقت بھی تم تھوڑا بہت اس کو پڑھنا جانتی ہو۔ جب تم ایک چھوٹی سی گول اور چمکدار پتھری دیکھتی ہو، تو کیا وہ اپنا قصہ نہیں سناتی؟ یہ پتھری ایسی گول، بغیر کناروں کی چکنی اور چمکدار کیسے ہوگئی؟ اگر تم ایک بڑے سے پتھر کو توڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دو تو ہر ٹکڑا کھردرا سا ہوگا، اس کے کھردرے سے کنارے نکلے ہوں گے، اس کی عجیب سی شکل ہوگی۔ الغرض وہ ایسا گول اور چکنا سا تو نہ ہوگا، جیسے

تم اپنے سامنے پڑا دیکھ رہی ہو۔ یہ بتلاؤ کہ یہ پتھری، جو تمھارے سامنے ہے، گول، چکنی اور چمکدار کیسے ہوگئی؟ اگر تمھاری اچھی سی آنکھیں اور اچھے سے کان ہوں تو وہ پتھری اپنا قصہ تمھیں خود سنائے گی ذرا غور سے کان لگا کر سنو۔ وہ کہہ رہی ہے کہ ایک زمانہ گذرا کہ میں چھوٹی سی چٹان یا بڑا سا پتھر تھی۔ میرے بہت سے کنارے اور کونے تھے۔ میں کسی پہاڑ کے ایک کنارے پر پڑی تھی۔ ایک دفعہ مینھ برسا اور اُس نے مجھے پہاڑ کے کنارے سے ڈھکیل کر ایک پہاڑی نالے میں گرا دیا۔ اور وہ نالہ مجھے ایک چھوٹے سے دریا میں بہا لے گیا، اور اُس نے مجھے ایک بڑے دریا میں پہنچا دیا۔ میں اُن دریاؤں میں لُڑھکتی پُڑھکتی رہی۔ یوں میرے کنارے جھڑ گئے۔ اور میرا کھُردرا جسم چکنا اور چمکدار ہوگیا۔ اور اب میں وہ چھوٹی سی گول چمکدار پتھری ہوں جس کو تم اپنے سامنے دیکھ رہی ہو۔ دریا کا پانی تو کسی طرح نکل گیا اور مجھے تمھارے سامنے چھوڑ گیا۔ اگر دریا مجھے بہائے لئے جاتا تو میں لُڑھکنے پُڑھکنے میں اور بھی چھوٹی ہوتی چلی جاتی، یہاں تک کہ میں ریت کے ہزاروں، لاکھوں ذرے بن جاتی، اور اپنے ہی بھائی ریت میں مل کر دریا کے کنارے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے سینے پر کھلاتی۔ وہ میرا گھروندا بناتے، خوش ہوتے اور میں اُن کو دیکھ کر خوش ہوتی۔

اگر ایک چھوٹی سی پتھری تمھیں اتنا بڑا قصہ سناتی ہے تو سوچو کہ تمام چٹانیں، بڑے بڑے پہاڑ اور بہت سی اور چیزیں، جو ہمارے ارد گرد نظر آرہی ہیں، ہمیں کیا کچھ نہیں سنائیں گی؟

(۲)

پچھلے زمانے کی تاریخ کیسے لکھی گئی؟

میں نے پچھلے خط میں تم سے یہ کہا تھا کہ زمین کی شروع شروع کی تاریخ معلوم کرنے کے لئے ہمیں دُنیا کی کتاب کو پڑھنا چاہیئے۔ جو چیزیں تم اپنے اردگرد دیکھتی ہو اُن سب کا حال اس کتاب میں لکھا ہے۔ اسی میں تمھیں چٹانوں، پہاڑوں، میدانوں، دریاؤں، سمندروں اور ایسے پہاڑوں کا حال ملے گا جن میں سے آگ نکلتی ہے۔ غرض سب کچھ اسی میں ملے گا۔ یہ کتاب ہر وقت ہمارے سامنے کھلی رکھی رہتی ہے، لیکن ہم میں سے بہت کم ایسے ہیں جو اس کتاب کو دیکھنے کی پرواہ کرتے ہیں یا اس کو پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم اس کو پڑھنا سیکھ جائیں اور اس کو سمجھنے لگیں تو یہ ہم کو کیسی کیسی مزیدار کہانیاں سُناتی ہے! جو کہانیاں ہم اس کتاب کے پتھروں کے ورقوں میں پڑھیں گے وہ دیوؤں اور پریوں کی کہانیوں سے بھی زیادہ مزیدار اور عجیب ہوں گی۔

غرض دُنیا کی اس کتاب سے ہم کو اُن زمانے بہت ہی پرانے زمانے کا حال معلوم ہوگا، جب ہماری اس زمین پر نہ کوئی آدمی رہتا تھا، نہ جانور جوں جوں ہم اس کو پڑھتے جائیں گے۔ ہمیں معلوم ہوتا جائے گا کہ اس زمین کا سب سے پہلا جانور کیونکر پیدا ہوا۔ پھر ہماری آنکھوں کے سامنے اور جانور آتے جائیں گے، ان کے بعد عورت مرد آئیں گے۔ مگر وہ ایسے مرد اور عورت تھوڑے ہی ہوں گے جیسے آجکل دکھائی دیتے ہیں، بلکہ کچھ اور ہی طرح کے ہوں گے وہ جنگلی ہوں گے اُن میں اور جانوروں میں بہت ہی کم فرق ہوگا۔ آہستہ آہستہ ہوتے ہوتے وہ بہت سی چیزوں کو جانیں اور پہچانیں گے اور

کان سے نکلا ہوا پودا جو پتھر جیسا ہو گیا ہے

بہت سی باتوں پر سوچنا سمجھنا شروع کر دیں گے۔ یہی سوچنے اور سمجھنے کی طاقت
ایسی چیز ہے، جو اُن میں اور جانوروں میں فرق پیدا کر دے گی، کیونکہ جانوروں
میں سوچنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہی طاقت ایسی ہوگی جو اُن کو آدمیوں کو کھا جانے
والے اور بڑے سے بڑے جانوروں سے بھی زیادہ زوردار بنا دے گی۔ آج تم
اکثر دیکھتی ہوگی کہ ایک چھوٹا سا آدمی ہاتھی کی گردن پر بیٹھا ہوا اتنے بڑے
جانور سے جو کچھ چاہتا ہے کرا لیتا ہے۔ ہاتھی کتنا بڑا اور کتنا طاقتور جانور ہے۔
وہ اس چھوٹے سے مہاوت سے تو کہیں زیادہ طاقتور ہے، جو اس کی گردن پر
بیٹھا ہوا اُس سے کام لیتا ہے۔ یہ کیوں اور کیسے ہوتا ہے؟ صرف اس لئے کہ
مہاوت سوچ سمجھ سکتا ہے، اور ہاتھی نہیں سوچ سمجھ سکتا۔ اسی لئے ہاتھی اُس
کا غلام ہے اور مہاوت اُس کا مالک۔ جیسے جیسے آدمی میں سوجھ بوجھ بڑھتی
گئی، وہ زیادہ ہوشیار اور زیادہ عقلمند ہوتا چلا گیا۔ اسی سے اُس نے بہت سی
چیزیں معلوم کر لیں، جیسے آگ جلا لینا، زمین کو جوتنا، کھانے کی چیزیں اُگا لینا،
تن ڈھانکنے کو کپڑا بُن لینا، رہنے کو گھر بنا لینا۔ بہت سے مرد اور بہت سی
عورتیں ایک جگہ مل کر رہنے لگے، یوں سب سے پہلے شہر بنے۔ جب تک شہر
نہیں بسے تھے، آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ مارے مارے پھرا کرتے تھے،
شاید تمبوؤں جیسی کسی چیز کے نیچے سر چھپا بیٹھتے ہوں۔ اس وقت سے پہلے
تو اُنھیں یہ بھی اچھی طرح معلوم نہ تھا کہ زمین سے اناج کیسے اُگایا جاتا
ہے۔ اسی لئے نہ اس وقت اُن کے پاس اُبالنے کو چاول تھے، نہ روٹی
پکانے کو گیہوں یا مکا یا۔ جو چیزیں تم اس وقت کھاتی ہو اُن کی اُنھیں
خبر تک نہیں تھی۔ جنگل کی گھاس پات کی جڑیں یا جنگلی درختوں کے پھل کھا لیا
کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا بڑا گزارہ جنگلی جانوروں کے گوشت
پر تھا۔

جب شہروں میں آدمی بہت سے بسنے لگے، تو لوگوں نے اور اچھے اچھے

کام سیکھ لئے۔ اُنھوں نے لکھنا بھی سیکھ لیا۔ لیکن مدتوں لکھنے کو کاغذ نہیں تھا کیونکہ ابھی تک کسی کو کاغذ بنانا نہیں آتا تھا! اِس لئے وہ بھوج پتر کے درخت کی چھال پر یا تاڑ کے پتوں پر لکھا کرتے تھے۔ اس وقت بھی کسی کسی کتب خانے میں تمھیں اُس پرانے زمانے کی کتابیں تاڑ کے پتوں پر لکھی ہوئی ملیں گی۔ اس کے بعد لوگوں کو کاغذ بنانا بھی آگیا، اور اب لکھنا اور بھی آسان ہو گیا۔ مگر اُن دنوں چھاپے خانے نہ تھے، اور آجکل کی طرح ہزاروں کتابیں نہیں چھپ سکتی تھیں۔ کوئی کتاب ایک دفعہ لکھ لی جاتی تھی، اور لوگ بڑی محنت کے ساتھ ہاتھ سے اُس کی نقل کر لیا کرتے تھے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ کتابیں بہت نہیں ہو سکتی تھیں، یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تم کسی کتب فروش کی دوکان پر چلی جاؤ اور جتنی چاہو کتابیں خرید لاؤ۔ اگر اُس زمانے میں کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو پہلے کوئی نقل کرنے والا تلاش کرنا پڑتا تھا۔ اس میں بڑی دیر لگتی تھی، مگر اُس زمانے میں لوگوں کے خطاطت اچھے ہوتے تھے۔ اس وقت بھی ہمارے کتب خانوں میں بہت سی ایسی کتابیں ملتی ہیں جو بہت اچھی لکھی ہوئی ہیں۔ ہندوستان میں تو خاص کر اردو، فارسی اور سنسکرت کی کتابیں ہاتھ کی بڑی ہی اچھی لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ جو آدمی نقل کیا کرتا تھا وہ کتابوں کے کناروں پر بڑے خوبصورت پھول بوٹے بھی بنا دیا کرتا تھا۔

جب شہر بہت سے ہو گئے تو اُن ہی سے مل کر ملک بن گئے۔ اور الگ الگ قومیں بن گئیں۔ جو لوگ ایک ہی ملک میں پاس پاس رہتے تھے، وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہو جاتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم ان لوگوں سے اچھے ہیں جو دوسرے ملکوں میں رہتے ہیں، اور اپنی بیوقوفی سے دوسرے ملک والوں سے لڑا کرتے تھے۔ وہ لوگ اس کو نہیں سمجھتے تھے اور اب تک نہیں سمجھتے کہ ایک دوسرے سے لڑنا اور ایک دوسرے کو مار ڈالنا بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔ اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا۔

شروع زمانے کے شہروں اور ملکوں کی باتوں کو معلوم کرنے کے
واسطے ہم کو کبھی کبھی پرانی کتابیں مل جاتی ہیں۔ لیکن ایسی کتابیں بہت
نہیں ہیں۔ اس میں ہمیں اور بہت سی چیزیں مدد دیتی ہیں۔ پرانے زمانے کے
بادشاہ اپنی سلطنت کا حال پتھروں کی تختیوں یا لوہے کی لاٹوں پر کھدوا دیا کرتے
تھے۔ کتابیں بہت دنوں تک نہیں چلتیں۔ کاغذ پرانا ہو کر گل جاتا ہے یا اس
کو کیڑا کھا جاتا ہے۔ مگر پتھر یا لوہے کی لاٹیں بہت دنوں تک باقی رہتی ہیں۔
شاید تم نے بھی الہ آباد کے قلعے میں مہاراجہ اشوک کی بنوائی ہوئی پتھر کی لاٹ
دیکھی ہوگی۔ اس پر مہاراجہ اشوک کا فرمان کھدا ہوا ہے۔ یہ مہاراجہ کئی سو برس
ہوئے کہ ہندوستان کا بہت بڑا بادشاہ گزرا ہے۔ اگر تم لکھنؤ یا کسی اور شہر
کے عجائب خانوں میں جاؤ تو ایسے بہت سے پتھر دیکھو گی جن پر کچھ کھدا
ہوا ہے۔

بہت سے ملکوں کی پرانی تاریخیں پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مدتیں
ہوئیں چین اور مصر میں کیسی بڑی بڑی باتیں ہوئی تھیں۔ اس وقت
یورپ کے ملک میں جنگلی لوگ بستے تھے۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان اگلے
دنوں میں رامائن اور مہابھارت جیسی بڑی بڑی اور اچھی اچھی کتابیں
لکھی گئی تھیں اور ہندوستان بڑا امیر اور طاقتور ملک تھا۔ آج ہمارا
ملک بہت غریب ہے اور ہمارے اوپر اور ملک کے آئے ہوئے لوگ بادشاہ
ہیں۔ ہم اپنے ملک میں جو کچھ چاہیں نہیں کر سکتے۔ لیکن شاید ہمیشہ سے
یہ بات نہیں تھی۔ اگر ہم چاہیں تو اپنے ملک کے غریب آدمیوں کی حالت
سنوار سکتے ہیں اور ہندوستان کو ویسا ہی رہنے کے قابل بنا سکتے
ہیں جیسا کہ آجکل یورپ ہے۔

میں اگلے خط میں تمہیں شروع زمانے سے اس زمین کی بڑی مزیدار
اور عجیب کہانی لکھوں گا۔

(٣)

زمین کیسے بنی؟

تم جانتی ہو کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور چاند بھی زمین کے گرد گھومتا ہے۔ تم کو شاید یہ بھی معلوم ہے کہ اور بھی بہت سے اجرام فلکی (آسمان کی چیزیں) ہیں جو زمین کی طرح سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ ہماری زمین سمیت یہ سب سیارے کہلاتے ہیں۔ سیارے اُن تاروں کو کہتے ہیں جو سیر کرتے یعنی چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ اُن کو ایک دوسرے کا "لاگو" بھی کہہ سکتے ہیں۔ چاند زمین کا لاگو کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ زمین ہی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ اور بڑے بڑے ستاروں کے بھی چھوٹے چھوٹے لاگو ہیں۔ سورج بڑے ستارے اور لاگو مل کر ستاروں کا ایک بڑا اچھا کنبہ بنا ہوا ہے۔ اس کنبہ کو "نظام شمسی" کہتے ہیں۔ سورج سارے ستاروں کا باپ ہے اور سب اس کے بال بچے، اسی واسطے یہ "نظام شمسی" یعنی سورج کے کنبے کا انتظام کہلاتا ہے۔

رات کے وقت تم ہزاروں ستاروں کو آسمان میں دیکھتی ہو۔ ان میں سے بہت تھوڑے سے سیارے ہیں، سچ پوچھو تو یہ تارے نہیں کہے جا سکتے۔ بھلا تم یہ بتلا سکتی ہو کہ ان ہزاروں تاروں میں سیارے کون سے ہیں؟

حقیقت میں ہماری زمین کی طرح سیارے بہت چھوٹے ہیں اور ستارے ان سے بہت بڑے۔ مگر آسمان میں سیارے بہت بڑے دکھلائی دیتے ہیں کیونکہ وہ ہماری زمین سے بہت نزدیک ہیں، چاند ہی کو دیکھو کہ وہ ہے تو چھوٹا سا مگر دکھلائی دیتا ہے اتنا بڑا کیونکہ وہ ہم سے بہت

نزدیک ہے۔ اگر یہ پہچاننا ہو کہ سیارہ کون سا ہے اور ستارہ کون سا ہے تو یہ دیکھو کہ اُن میں سے کون ٹمٹماتا ہے۔ جو ٹمٹماتا ہو وہ سیارہ ہے اور جو نہیں ٹمٹماتا وہ ستارہ، اس کا سبب یہ ہے کہ سیارہ صرف اس لیے چمکتا ہے کہ اس پر ہمارے سورج کی روشنی پڑتی ہے چاند یا سیارے جو تمھیں چمکتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں وہ حقیقت میں دھوپ ہے۔ اصل ستارے جو ہیں، وہ ہمارے سورج کی طرح روشن ہیں۔ وہ آپ ہی آپ اس لیے چمکتے ہیں کہ وہ بہت سخت گرم، بلکہ جل رہے ہیں۔ اصل پوچھو تو ہمارا سورج بھی ایک ستارہ ہے، وہ صرف اس واسطے بڑا نظر آتا ہے کہ وہ ہم سے قریب ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگ کی بہت بڑی سی گیند ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ہماری زمین بھی سورج ہی کے کنبے میں شامل ہے یا یوں کہو کہ وہ بھی نظامِ شمسی میں داخل ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زمین بہت بڑی ہے۔ اگر ہم اپنے چھوٹے سے قد سے اُس کا مقابلہ کریں تو بے شک زمین بہت ہی بڑی ہے۔ اگر ہم کسی تیز چلنے والی ریل، یا کسی تیز چلنے والے جہاز میں بیٹھ کر زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جانا چاہیں تو کئی ہفتے بلکہ کئی مہینے لگیں گے، اگرچہ ہمیں یہ بہت ہی بڑی معلوم ہوتی ہے لیکن وہ ایسی ہے جیسے بعض وقت تم کو ہوا میں گرد کا دھبا سا نظر آتا ہو۔ سورج ہم سے لاکھوں میل دور ہے، اور دوسرے تارے تو اس سے بھی زیادہ دور ہیں۔

علمِ ہیئت (یعنی ستاروں کا علم) جاننے والے یہ بتلاتے ہیں کہ بہت زمانہ ہوا کہ زمین اور سارے سیارے سورج ہی کے حصے تھے۔ اُس وقت بھی سورج ایسی ہی جلتی ہوئی اور بہت ہی سخت گرم چیز تھا جیسا کہ اس وقت ہے۔ کسی نہ کسی طرح یہ ہوا کہ سورج کے چھوٹے چھوٹے

ٹکڑے اُس سے ٹوٹ کر الگ ہو گئے، اور وہ بھی ہوا میں گھومنے یا تیرنے لگے۔ لیکن اُن کو اپنے باپ یعنی سورج سے ایسی محبت تھی کہ انھوں نے اُس کو نہیں چھوڑا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورج کے یہ ٹکڑے کسی رسّی سے بندھے ہوئے ہیں اور اُس کے گرد ناچتے، یا گھومتے چلے جاتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب طاقت جس کو میں نے رسّی کہا ہے، ایسی طاقت ہے کہ اُس سے بڑی چیز چھوٹی چیز کو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ یہی وہ طاقت ہے جو چیزوں کو اُن کے بوجھ کے سبب سے گرا دیتی ہے۔ ہمارے قریب سب سے بڑی چیز زمین ہے۔ وہی ہم کو اور ہماری سب چیزوں کو اپنی طرف کھینچے رکھتی ہے۔

اِسی طرح ہماری زمین بھی سورج ہی کا ایک ٹکڑا تھی، جو بعد کو سورج سے الگ ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ ٹکڑا یعنی زمین بہت گرم ہوگی۔ اس میں سے بہت ہی سخت گرم بخارات (ہوائیں) نکلتے ہوں گے اور خود اُس کی ہوائیں بھی بہت ہی گرم ہوں گی، مگر چونکہ یہ ٹکڑا یعنی ہماری زمین سورج سے بہت ہی چھوٹا تھا، اس لئے وہ جلدی ٹھنڈا ہونا شروع ہو گیا۔ سورج کی گرمی بھی آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے۔ لیکن اُس کے ٹھنڈا ہونے میں ابھی لاکھوں برس اور لگیں گے۔ زمین کو ٹھنڈا ہونے میں بہت کم وقت لگا۔ جب زمین گرم تھی تو کوئی بھی اس پر زندہ نہ رہ سکتا تھا، نہ کوئی آدمی، نہ کوئی اور جان دار، نہ کوئی درخت نہ کوئی جھاڑی، اپنی گرمی سے ہر چیز جل جاتی ہوگی۔

ٹھیک اسی طرح جیسے سورج سے ایک ٹکڑا الگ ہو کر زمین بن گئی، زمین سے ایک ٹکڑا الگ ہو کر چاند بن گیا۔ بہت سے لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اُس بہت ہی بڑی خالی جگہ سے نکلا ہے، جہاں آج کل امریکہ اور جاپان کے بیچ میں وہ سمندر ہے جس کو بحرِ اوقیانوس کہتے ہیں۔

غرض زمین ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی۔ اس میں بہت وقت لگا ہوتے ہوتے زمین کا اوپر والا حصہ اور حصّوں سے جلد اور زیادہ ٹھنڈا ہوگیا۔ مگر اندر کا حصہ پھر بھی بہت گرم رہا۔ اب بھی اگر تم کسی کوئلے کی کان کے اندر جاؤ تو جیسے جیسے تم نیچے اترتی جاؤگی، ویسے ویسے تم کو معلوم ہوتا جائے گا کہ گرمی بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر تم اور بھی نیچے، بہت نیچے جاؤ تو زمین کو گرمی کے مارے ایسا لال پاؤگی جیسے لوہا گرم ہو کر لال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چاند بھی ٹھنڈا ہونے لگا۔ چونکہ وہ زمین سے بہت چھوٹا ہے اس لئے وہ جلدی ٹھنڈا ہو گیا۔ اب وہ اتنا ٹھنڈا نظر آتا ہے کہ اُس کو دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟ اسی لئے اس کو ٹھنڈا چاند کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اُس میں برف کے پہاڑ بھرے پڑے ہوں۔

جب زمین کے ٹھنڈے ہونے سے ہوا بخارات کو لے کر اٹھی تو وہ بخارات پانی بن گئے اور مینھ کی صورت میں پانی بن کر برس پڑے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مینھ اُس وقت بہت ہی زیادہ برسا ہوگا۔ اسی لئے زمین میں جہاں گہرائی تھی سب بھر گئی۔ بڑے بڑے سمندر بن گئے۔ جوں جوں زمین اور سمندر ٹھنڈے ہوتے گئے اُس پر اور سمندر کے اندر جاندار چیزیں زندہ رہ سکیں۔

میں اگلے خط میں بتلاؤں گا کہ شروع شروع میں جاندار چیزوں کی کیا حالت تھی۔

---

(۴)

سب سے پہلی جاندار چیزیں

اس خط کے پہلے خط سے تمھیں معلوم ہو چکا ہے کہ بہت زمانے تک
زمین اتنی گرم رہی ہوگی کہ اُس پر یا اُس کے اندر کوئی جاندار زندہ نہیں
رہ سکتا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ جاندار چیزیں زمین پر کب پیدا ہوئیں اور
اور وہ کیسی چیزیں تھیں؟ یہ سوال ہے تو بڑا مزیدار مگر اس کا جواب دینا
بھی کچھ آسان نہیں، بڑا مشکل ہے۔ پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ جان ہے کیا چیز؟
یقین ہے کہ تم یہ کہو گی کہ انسان جاندار ہیں، اور جانور بھی جاندار ہیں۔ اچھا
یہ بتاؤ کہ درخت، جھاڑی، بوٹی، پھول، پھل، سبزیاں بھی جاندار ہیں کہ نہیں؟
بےشک یہ سب بھی جاندار ہیں۔ یہ پیدا ہوتے ہیں، ہوا کھاتے ہیں، پانی
پیتے ہیں، بڑھتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ درختوں اور جانوروں میں
صرف اتنا فرق ہے کہ درخت چل پھر نہیں سکتے اور جانور چلتے پھرتے
ہیں۔ شاید تمھیں یاد ہوگا کہ ہم نے لندن میں تمھیں کچھ پودے
دکھلائے تھے جو کیو گارڈن میں رکھے تھے۔ کچھ ایسے بھی جانور ہیں جیسے
اسفنج جو سمندر کی تہ میں ہوتے ہیں اور چلتے پھرتے نہیں۔ بعض وقت
یہ بتانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کوئی چیز جانور ہے یا پودا۔ جب
تم علم نباتات (یعنی وہ علم جس سے ہم کو پودوں کا حال معلوم
ہوتا ہے) یا علم حیوانات (یعنی وہ علم جس سے جانداروں کا حال معلوم
ہوتا ہے) پڑھو گی تو تم کو ان عجیب و غریب چیزوں کا حال معلوم ہوگا
جو نہ پورے جانور ہیں نہ پورے پودے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ پتھروں اور چٹانوں میں بھی

ایک طرح کی جان ہے، اور اُن کو دُکھ درد بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس کو معلوم کرنا ذرا مشکل کام ہے۔ شاید تمھیں یاد ہوگا کہ جنیوا میں ایک صاحب ہم سے ملنے آئے تھے۔ اُن کا نام جگدیش بوس ہے۔ انھوں نے بہت اچھی طرح غور سے دیکھ بھال کر یہ ثابت کیا ہے کہ درختوں اور پودوں میں بہت کچھ جان ہے اُن ہی کا خیال ہے کہ پتھروں میں بھی جان ہے۔

یوں یہ بتلانا کچھ آسان نہیں ہے کہ کون سی چیز جاندار ہے اور کون سی نہیں ہے۔ اس وقت ہمیں پتھروں کا ذکر تو چھوڑ دینا چاہیے اور صرف درختوں اور جانوروں پر غور کرنا چاہیے۔ آج دُنیا میں ہزاروں طرح کی جاندار چیزیں موجود ہیں۔ وہ ہر قسم کی ہیں۔ مرد ہیں، عورتیں ہیں، اِن میں سے کچھ بہت ہوشیار ہیں اور کچھ بہت بیوقوف۔ پھر جانور ہیں، اُن میں سے بھی تم کو سمجھدار جانور ملیں گے، جیسے ہاتھی یا بندر یا چیونٹی۔ بہت سے جانور ایسے بھی ملیں گے جو بالکل سمجھ نہیں رکھتے۔ سمندر کی مچھلیاں اور اور چیزیں جانداروں میں نیچے درجے کی ہیں۔ اُن سے بھی نیچے درجے میں تم ایسے جاندار پاؤ گی جن کا درجہ مچھلیوں سے بھی نیچا ہے، جیسے اسفنج اور ناپودے جیسی مچھلی اور ایسی چیزیں جو آدھی جاندار ہیں اور آدھی درخت۔

یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ یہ مختلف طرح کے جانور یکایک ایک ہی وقت میں پیدا ہو گئے تھے، یا آہستہ آہستہ ایک ایک کرکے پیدا ہوئے۔ یہ کس طرح معلوم ہو؟ اتنے پرانے زمانے کی تو کوئی کتاب بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔ لیکن کیا دنیا کی کتاب ہمیں مدد دے سکتی ہے؟ بیشک دے سکتی ہے۔ پرانی چٹانوں میں ہم کو جانوروں کی ہڈیاں ملتی ہیں، اُن کو "متحجر" (پتھرائی ہوئی) کہتے ہیں۔ اُن ہڈیوں کو

دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہت مدت ہوئی جب یہ چٹان بنی تھی تو وہ جانور جن کی یہ ہڈیاں ہیں زندہ ہوگا۔ تمھیں یاد ہوگا کہ تم نے لندن کے عجائب خانے میں بہت سے چھوٹے بڑے جانوروں کی متحجر ہڈیاں دیکھی تھیں۔

جب کوئی جانور مرتا ہے تو اُس کی کھال اور گوشت بہت جلد گھل، سڑ جاتی ہے۔ مگر ہڈیاں مدتوں باقی رہتی ہیں۔ یہی ہڈیاں ہم کو اُس پرانے زمانے کے جانوروں کا حال بتلاتی ہیں۔ لیکن فرض کرو کہ کسی جانور کی ہڈیاں ہی نہ ہوں، جیسے فاودسے جلیبی مچھلی، وہ مرگی تو اپنی نشانی کچھ بھی نہیں چھوڑ جائے گی۔

اگر ہم چٹانوں کو بہت غور اور احتیاط سے دیکھیں اور پرانی متحجر ہڈیاں جمع کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ مختلف قسم کے جانور مختلف زمانوں میں زندہ تھے۔ یہ نہیں ہوا کہ سب کے سب ایک ہی وقت میں جمع ہو کر کہیں سے آگئے تھے۔ پہلے تو بہت سادی سی بناوٹ کے معمولی جانور تھے جیسے سنگھ کیٹی، سیپی، کوڑی، سمندر کے کتار سے جو خوبصورت سیپی تم کو ملتی ہے وہ مرے ہوئے جانوروں کے گھر ہی جیسے خول ہوتے ہیں۔ اُن کے بعد ہم کو ایسے جانور ملتے ہیں جن کی بناوٹ کچھ پیچ دار سی ہے، جیسے سانپ، بہت بڑے بڑے چوپائے، جو ہمارے ہاتھیوں سے کبھی بڑے تھے، چڑیاں اور بعض ایسے جانور، جو ہمارے زمانے کے جانوروں سے ملتے جلتے ہیں، سب سے آخر میں انسان کی نشانیاں ملتی ہیں۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اُن جانوروں کے پیدا ہونے میں کوئی نہ کوئی ترتیب تھی۔ پہلے بہت ہی سادی بناوٹ کے پھر ان سے اونچے قسم کے ہوتے ہوتے زیادہ پیچیدہ طرح کے۔ سب سے آخر میں بہت ہی اونچے درجے کے جانور جن کو ہم انسان کہتے ہیں۔

اس کی بڑی مزیدار کہانی ہے کہ سادے اسفنج اور سیپ کی قسم کی
مچھلیوں نے کیسی ترقی کی، شاید میں یہ بھی کسی دن تمھیں بتلاؤں گا۔
اس وقت تو ہمیں صرف سب سے پہلے جانداروں سے غرض ہے، اُن
ہی کا حال تمھیں بتلا رہا ہوں۔

جب زمین ٹھنڈی پڑ گئی تو غالباً سب سے پہلا جاندار فالودے
جیسا ہوگا، جس کا نہ کوئی خول ہوگا نہ ہڈی، اور وہ سمندر میں رہتا
ہوگا۔ اس کی کوئی تحجّر نشانی باقی نہیں رہی، کیونکہ اُن جاندار چیزوں
کے ہڈی نہ تھی۔ اس لئے ہم کو تھوڑا بہت قیاس ہی سے کام لینا پڑتا
ہے۔ فالودے کی سی چیزیں اس وقت بھی سمندر میں ملتی ہیں۔ یہ
گول سی ہوتی ہیں، لیکن ان کی صورت برابر بدلتی رہتی ہے، کیونکہ
نہ ان کے ہڈی ہوتی ہے، نہ خول۔ وہ کچھ ایسی ہوتی ہیں۔
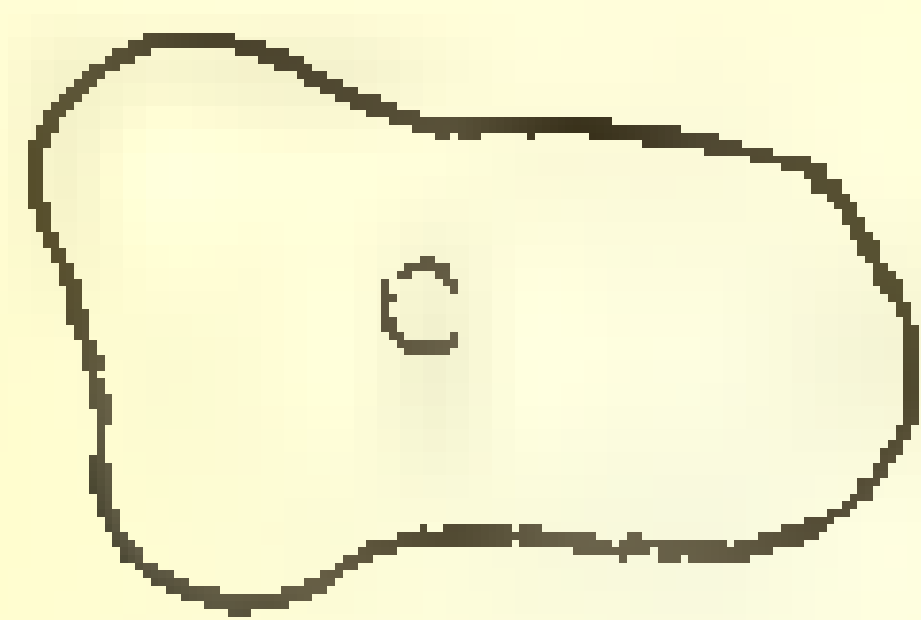
تم دیکھو گی کہ ان کے بیچ میں ایک نقطہ جیسا ہے۔ اُس کو
تخم (بیج) کہتے ہیں۔ یہ دل کی قسم کی سی ایک چیز ہے۔ یہ جانور یا
جو کچھ تم چاہو اُن کو کہہ لو) عجیب طریقے سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں،
اور ایک کے دو بن جاتے ہیں۔ اُن کے جسم کا کوئی حصہ پتلا ہونے لگتا
ہے اور برابر پتلا ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے فالودے جیسے
دو ٹکڑے ہوجاتے ہیں، اور دونوں اصل ہی جیسے ہوتے ہیں۔ یہ دو
ٹکڑے ہونا کچھ ایسا ہوتا ہے۔
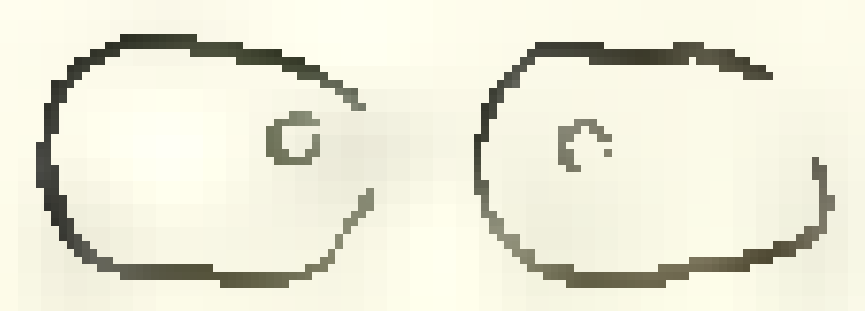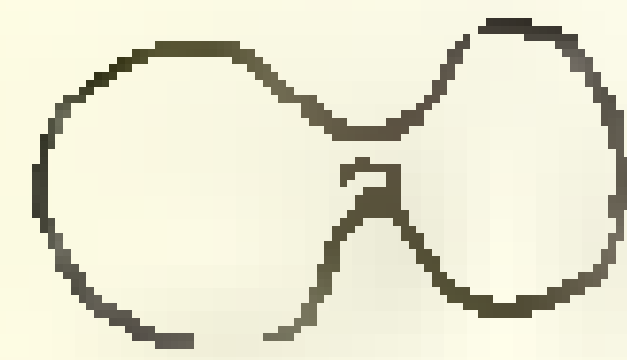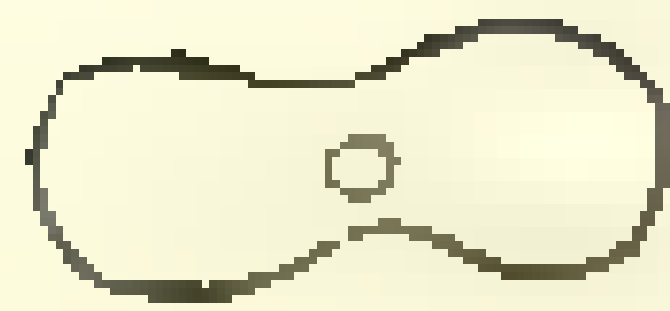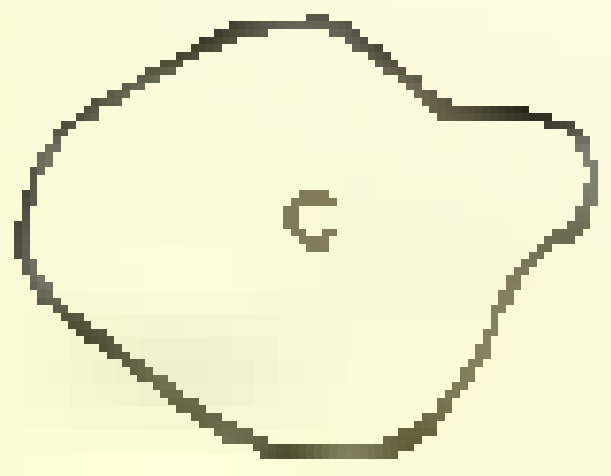
تم دیکھوگی کہ "تقسیم" یا دل کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں،
اور ہر ٹکڑے میں اس کا ایک حصہ آجاتا ہے۔ اس طرح پر یہ جاندار
ٹکڑے ٹکڑے ہوتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔

ہماری زمین پر سب سے پہلی جاندار چیز ایسی ہی کچھ رہی
ہوگی۔ زندگی کی یہ کیسی سادہ اور حقیر نشانی ہے؟ اس وقت تمام زمین
پر اس سے زیادہ ترقی یافتہ درجے کی اور کوئی چیز نہیں ہوگی،
اس وقت تک اصل جانور اس زمین پر نہیں پیدا ہوا ہوگا؛ اور انسان
کے آنے میں تو ابھی لاکھوں برس باقی ہوں گے۔

ان فالودے جیسی چیزوں کے بعد سمندر کی گھاس نکلی، پھر گھونگے،
مچھلی، پھر کیکڑے، پھر کیڑے، اور ان سب کے بعد مچھلیاں پیدا ہوئیں۔
ہم کو ان کا بہت کچھ حال معلوم ہے، کیونکہ ان کے جسموں میں ہڈیاں
تھیں یا سخت قسم کے خول تھے۔ ان ہی کو وہ چھوڑ گئے ہیں تاکہ ہم
ہزاروں لاکھوں برس کے بعد ان کے متعلق تحقیقات کر سکیں۔ وہ سمندر
ہی میں مرتے تھے، ان کی یہ ہڈیاں گر کر رہ گئیں۔ اس پر اور
کیچڑ اور ریت جما اور حفاظت سے رہ گئیں، پھر یہ سوکھ کر سخت ہوگئیں،
ان پر اور مٹی اور ریت جمتی رہی اور ان کے بوجھ سے وہ مٹی ان کے
خول اور ہڈیوں کے گرد پتھر جیسی سخت ہوگئی، اور ہوتے ہوتے چٹان
جیسی بن گئی۔ یوں سمندر کی تہ میں یہ چٹانیں بنیں۔ پھر کوئی زلزلہ
(بھونچال) آیا یا ایسا ہی کچھ اور ہوا۔ اور یہ چٹانیں سمندر کی تہ سے
نکل آئیں، اور سوکھی ہوئی سمندری چٹانوں کی جگہ زمین کی چٹانیں ہو گئیں۔

مینھ برسا، دریا نے اُن کو کاٹا؛ وہ چٹانیں ٹوٹیں، اور اُن کے اندر جو خزانے (جانوروں کی ہڈیاں اور خول) ہزاروں برس سے چھپے ہوئے تھے باہر نکل آئے؛ یوں یہ ہڈیاں، یا خول، متحجّر ہو کر ہماری آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ اب جو ہم نے ان کو غور سے دیکھا اور تحقیقات کی، تو ہم کو ان کا حال معلوم ہوا، اور یہ بھی پتہ لگا کہ اب سے لاکھوں برس پہلے، جب انسان پیدا نہیں ہوا تھا، یہ زمین کیسی تھی۔

اگلے خط میں میں تمھیں بتلاؤں گا کہ اُن سادہ بناوٹ کے جانداروں نے کیسے ترقّی کی کہ یہ ایسے جانور بن گئے، جن کو ہم آجکل ہر جگہ دیکھ رہے ہیں۔
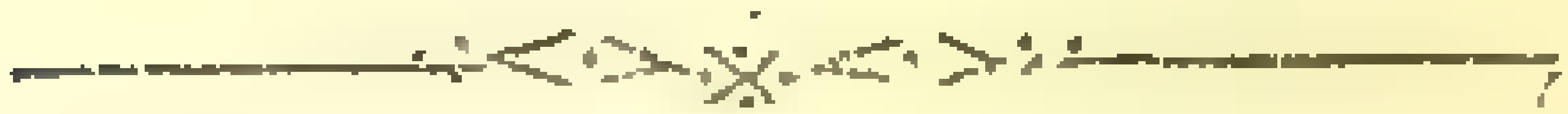
(۵)

جانوروں کی پیدائش

تمھیں یہ تو معلوم ہو چکا کہ ہماری زمین پر زندگی کی جو سب سے
پہلی نشانیاں تھیں۔ وہ غالباً سمندر کے رہنے والے، سادی یا ناٹ کے چھوٹے
چھوٹے جانور تھے یا سمندر کے پودے۔ وہ صرف پانی ہی میں رہ سکتے تھے۔
اگر باہر نکلتے اور خشک ہو جاتے تو مر جاتے جیسے آج کل کی فالودے جیسی مچھلی
اگر سمندر کے سوکھے کنارے پر ڈال دی جائے یا کسی چیز پر اگر رکھ دی جاتی ہے تو فوراً مر جاتی
ہے۔ لیکن ان دنوں دنیا میں پانی اور دلدل بہت زیادہ تھی جتنی آج کل ہیں۔ ان
سے تو کہیں زیادہ ہی ہوں گی۔ اس وقت یہ فالودے جیسی مچھلیاں اور دوسرے سمندر
کے جانور جن کی کھال کسی قدر سخت تھی تھوڑی دیر تک خشک زمین پر رہ سکتے
ہیں کیونکہ وہ اتنی جلدی نہیں سوکھتے [illegible] غرض یوں ہوتے ہوتے نرم
فالودے جیسی مچھلی اور اس کی قسم [illegible] دوسری چیزیں کم ہوتی چلی گئیں کیونکہ
وہ خشکی میں زندہ نہیں رہ سکتی تھیں [illegible] جانوروں کی کھالیں سخت تھیں وہ
جانور بڑھتے چلے گئے۔ اس [illegible] سے بڑا مزہ آتا ہے۔ اس کا یہ
مطلب ہے کہ جانوروں نے اپنے [illegible] حالت کو دیکھ کر اپنے آپ کو اس کے
موافق بنا لیا۔ تم نے لندن [illegible] دیکھا کہ ان سرد ملکوں کی چڑیاں
جہاں برف زیادہ گرتا ہے وہ برف کی طرح سفید ہوتی ہیں۔ گرم ملکوں میں جہاں
ہریالی، جھاڑی، گھاس اور درخت زیادہ [illegible] ہیں۔ یہی چڑیاں ہرے رنگ کی
ہوتی ہیں۔ اور کسی اور چمکدار رنگ کی۔ یہ چڑیاں اور جانور اپنے آپ کو اس
پاس کے رنگ جیسا بنا لیتے ہیں۔ وہ اپنا رنگ اس لئے بدل لیتے ہیں کہ

اس سے وہ اپنے دشمنوں سے بچے رہیں، کیونکہ اگر اُن کا رنگ اُن کے آس
پاس جیسا نہ ہو تو وہ جلدی دکھلائی پڑ جائیں، اور دشمن اُن کو پکڑ لے۔
ٹھنڈے ملکوں میں اُن کے بدن پر اُون یا بال بڑھ جاتے ہیں۔ جس کے
سبب سے وہ سردی سے بچے رہتے ہیں۔ شیر یا چیتے کا بدن بھی اسی لیے
خاکی ہوتا ہے اور اس پر گول گول داغ ہوتے ہیں۔ اس کو غور سے دیکھو تو یہ
معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جنگل میں درختوں میں سے دھوپ چھن چھن کر آتی
ہے۔ اسی لیے تو گھنے جنگل میں شیر یا چیتا کم نظر آتا ہے۔

یہ ضرور یاد رکھنے والی بات ہے کہ جانور یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنا رنگ
ویسا ہی کر لیں جیسا اُن کے آس پاس کا رنگ ہے۔ یہ ایک اہم بات ہے۔
پر یاد رکھو کہ جانور اپنا رنگ آپ ہی بدلنے کی کوشش نہیں کرتے لیکن یہ
ظاہر ہے کہ جو جانور اپنا رنگ بدل لیتے ہیں وہ دشمنوں سے بچے رہتے ہیں،
اور اُن کو زندہ رہنے کی زیادہ اُمید ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اپنے آس
پاس کے مطابق رنگ بدلنے والے جانور بڑھتے جاتے ہیں اور جو رنگ
نہیں بدلتے وہ کم ہوتے جاتے ہیں۔ اس رنگ کے بدلنے سے بہت سی
باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ سادہ بناوٹ کے جانور اپنے آپ کو بدلتے بدلتے
پیچیدہ بناوٹ کے جانور ہو جاتے ہیں اور ہوتے ہوتے بڑے بڑے
جانور بن جاتے ہیں۔ ایسے جانور اپنے آپ کو بدلتے بدلتے آگے بڑھتے
ہیں اور ہوتے ہوتے انسان بن جاتے ہیں۔ اگر انسان بننے تک اُن کو
لاکھوں برس لگے ہوں گے۔ ہمارے آس پاس کی چیزیں بھی برابر بدلتی رہتی ہیں
آہستہ آہستہ بدل رہی ہیں۔ اتنا آہستہ آہستہ کہ ہم اُن کا بدلنا کسی طرح
معلوم ہی نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ ہماری عمر بھی اتنی بہت زیادہ نہیں
ہوتی کہ ہم یہ بہت ہی آہستہ آہستہ بدلنا دیکھ سکیں۔ مگر خدا کی قدرت ایسا
کام کیے جاتی ہے، وہ نہ کبھی ٹھہرتی ہے نہ آرام لیتی ہے۔ وہ ہمیشہ اور ہر وقت

خشکی کے سب سے پہلے جانور بہت ہی بڑے بڑے سانپ، بڑی بڑی چھپکلی اور بڑے بڑے مگرمچھ تھے۔ اُن میں سے کچھ تو سَو سَو فیٹ لمبے تھے۔ ذرا خیال تو کرو کہ سَو فیٹ لمبا سانپ اتنی ہی بڑی چھپکلی یا کیسی ڈراؤنی چیز ہوگی! تمھیں شاید یاد ہوگا کہ تم نے لندن کے عجائب خانے میں ایسے ہی ڈراؤنے جانوروں کی "ہڈیاں" دیکھی تھیں۔

ان کے بعد وہ جانور آئے، جو آجکل ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دودھ پلانے والے جانور کہلاتے ہیں کیونکہ یہ اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ یہ بھی پہلے زمانے میں آجکل کے دودھ پلانے والے جانوروں سے بہت بڑے تھے۔ دودھ پلانے والے جانوروں میں جو جانور سب سے زیادہ انسانوں سے ملتا ہے وہ بندر بلکہ بن مانس ہے۔ اسی لئے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ انسان بندر کی اولاد ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب ہر جانور نے اپنے آپ کو اپنی آس پاس کی چیزوں کے موافق بنایا اور برابر ترقی کرتا رہا، اسی طرح آدمی بھی شروع شروع میں اچھی قسم کا بندر رہتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی ترقی کرتا رہا یا یہ کہنا چاہیے کہ خدا کی قدرت ترقی کراتی رہی۔ اور اس کو سدھارتی، سنوارتی رہی۔ اور اب؟ اب تو انسان اپنے برابر کسی کو سمجھتا ہی نہیں! نہ معلوم اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ کم سے کم اپنے آپ کو جانور تو نہیں سمجھتا۔ اُن سے کچھ بہت ہی بڑھیا چیز سمجھتا ہے۔ چاہے جو کچھ ہو انسان اپنے آپ کو کچھ ہی سمجھے! مگر اُسے یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ بندر اور بن مانس کا سگا نہیں تو چچیرا بھائی ہے۔ مجھے شاید یہ کہنے میں رُکنا نہیں چاہئے کہ اب بھی ہم انسانوں میں بہت سے آدمی ایسے ہیں جو بندروں کے سے کام کرتے ہیں۔

———— :⁘: ————

(۶)

انسان کی پیدائش

میں نے اپنے پچھلے خط میں یہ بتلایا ہے کہ زمین پر جاندار کس طرح پیدا ہوئے اور جب وہ پیدا ہوئے تو کیسی سادہ بناوٹ کے تھے! پھر آہستہ آہستہ ترقی کرکے لاکھوں برس میں ایسے ہوگئے، جیسے آجکل دکھلائی دیتے ہیں۔ ہم کو یہ عجیب مزیدار اور اہم بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ جب جانور ترقی کرنا شروع کرتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے آپ کو اپنے آس پاس کی چیزوں کے موافق بناتے ہیں۔ اس کوشش میں وہ ایک نئی خوبیاں اپنے میں پیدا کرکے اونچا درجہ حاصل کرتے ہیں، اور پیچیدہ بناوٹ کے بنتے چلے جاتے ہیں۔ ہم اس بدلنے یا ترقی کرنے کو کئی طرح معلوم کرسکتے ہیں۔ سب سے پہلے اسی کو دیکھو کہ شروع میں جانوروں کے ہڈیاں نہیں ہوتی تھیں۔ اس سبب سے وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ بعد ان کے ہڈیاں پیدا ہوگئیں۔ سب سے پہلے جو ہڈی ان کی بنی وہ کمر کی ہڈی یا پیٹھ کی ہڈی تھی جس کو ریڑھ کی ہڈی کہتے ہیں۔ یوں جانوروں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک وہ جن کے ہڈی نہیں ہوتی، اور دوسرے وہ جن کے ہڈی ہوتی ہے۔ آدمیوں اور اُن جانوروں کے جو تم کو دکھائی دیتے ہیں، سب کے ہڈیاں ہوتی ہیں۔

ایک اور بات تم یہ پاؤ گی کہ کچھ جانور کیسے بےپروا ہوتے ہیں، جیسے مچھلی کہ وہ انڈے دے کر چھوڑ جاتی ہے۔ وہ ایک دفعہ میں ہزاروں انڈے دیتی ہے مگر پھر ان کی طرف مڑ کر کبھی نہیں دیکھتی۔ ماں اپنے بچوں کی ذرا سی بھی پرواہ نہیں کرتی۔ وہ انڈے دے کر چل دیتی ہے۔ اور

کان سے نکلی ہوئی مچھلی جو پتھری ہوگئی ہے

پھر اُن کے پاس تک نہیں پھٹکتی۔ ان انڈوں کی کوئی پرواہ کرنے والا نہیں ہوتا۔ اس لئے ان میں سب سے زیادہ انڈے گندے ہو کر گویا مَر جاتے ہیں، بہت ہی کم ایسے انڈے رہ جاتے ہیں جن میں سے مچھلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اُف کتنے انڈے خراب ہوتے ہیں! اب ان سے اوپر کے درجے کے جانوروں کو دیکھو اُن کے انڈے یا بچے مچھلیوں سے بہت کم ہوتے ہیں مگر ماں اُن کی بہت حفاظت کرتی ہے۔

مُرغی بھی انڈے دیتی ہے مگر وہ اُن کو بیٹھ کر سیتی ہے، اور جب بچے نکلتے ہیں تو ان کو کئی دن تک چُگاتی ہے۔ جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو پھر ماں اُن کی فکر چھوڑ دیتی ہے۔

اونچے درجے کے یعنی دودھ پلانے والے جانوروں کی بھی حالت بدلتی ہے۔ میں اُن جانوروں کا ذکر اپنے پچھلے خط میں کر چکا ہوں۔ یہ جانور انڈے نہیں دیتے بلکہ بچے دیتے ہیں جیسے کُتا، بلی اور خرگوش۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں ان بچوں کو دودھ پلاتی ہے اور ان کی بہت نگہبانی کرتی ہے۔ پھر بھی بہت سے بچے مر جاتے ہیں۔ خرگوش کچھ مہینوں کے بعد بہت سے بچے دیتی ہے مگر ان میں سے بہت سے مر جاتے ہیں۔ زیادہ اونچے درجے کے جانوروں، جیسے ہاتھی کے صرف ایک ہی بچہ ہوتا ہے اور اُس کی ماں اُس کی بہت خبرداری کرتی ہے۔

اس سے تمھیں معلوم ہو گا کہ جانور جب ترقی کر گئے ہیں تو وہ انڈے نہیں دیتے بلکہ اپنی ہی طرح جیسے کُتا، بچے دیتے ہیں۔ صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ بچے ان سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ دوسری بات تمھیں یہ معلوم ہوگی کہ اُن سے زیادہ اونچے درجے کے جانور صرف ایک ہی بچہ دیتے ہیں اور اُن کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے۔ انسان سب سے اونچے درجے کا جانور ہے، اس لئے ماں اور باپ دونوں اپنے بچوں سے

محبت کرتے ہیں اور اُن کی بہت خبرداری کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے سب سے پہلے نیچے کے درجے کے جانوروں سے ترقی کی ہوگی۔ غالباً سب سے پہلا انسان ایسا انسان نہ ہوگا جیسا کہ ہم آج اُسے دیکھ رہے ہیں۔ وہ آدھا بن مانس اور آدھا انسان ہوگا، اور بندروں کی طرح رہتا سہتا ہوگا۔ تمھیں یاد ہوگا کہ جب میں جرمنی میں ایک پروفیسر سے ملنے ہائیڈل برگ کے شہر میں گیا تھا تو تم بھی میرے ساتھ تھیں۔ اس نے ایسا عجائب خانہ دکھلایا تھا جس میں بہت سی عجیب چیزیں تھیں، اور خاص کر ایک پرانی کھوپڑی جس کو وہ بڑی حفاظت سے ایک صندوق میں تالا لگا کر رکھتا تھا۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ کھوپڑی اس بہت ہی پرانے زمانے کے آدمی کی تھی۔ اب وہ "ہائیڈل برگ کا آدمی" کہلاتا ہے کیونکہ یہ [illegible] ملی تھی جہاں آجکل ہائیڈل برگ آباد ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جس زمانے میں یہ آدمی زندہ ہوگا۔ اُس زمانے میں نہ یہاں ہائیڈل برگ ہوگا نہ کوئی اور آبادی۔

اُس بہت ہی پرانے زمانے میں جب سب سے پہلا انسان زمین پر گھومتا پھرتا ہوگا دنیا میں بڑی سخت سردی ہوگی۔ اُس وقت برف اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ زمانہ ہی "برف کا زمانہ" کہلاتا ہے۔ برف کے بڑے بڑے پہاڑ یا تودے جیسے کہ آجکل قطب شمالی میں (جہاں بہت ہی سخت سردی ہوتی ہے) بہتے ہوئے سیدھے انگلستان اور جرمنی تک پہونچ گئے۔ اس سخت سردی کے سبب سے انسانوں کو اتنی تکلیف ہوتی ہوگی کہ جینا مشکل معلوم ہوتا ہوگا۔ وہ صرف وہیں رہ سکتے ہوں گے جہاں پر برف کے پہاڑ یا تودے نہ ہوتے ہوں گے۔ سائنس جاننے والے یہ بتلاتے ہیں کہ اُس زمانے میں بحر روم نہ تھا بلکہ جہاں اس وقت بحر روم

ہے وہاں دو جھیلیں تھیں۔ بحرِ احمر کبھی نہ تھا۔ جہاں اب یہ سمندر موجیں
مار رہا ہے وہاں خشک زمین تھی۔ غالباً ہندوستان کا بڑا حصہ ایک
جزیرہ ہوگا اور سمندر پنجاب اور ہمارے صوبے (صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ)
کے ایک حصے میں موجیں لے رہا ہوگا۔ ذرا خیال تو کرو کہ سارا دکھن کا ملک
اور صوبہ متوسط ایک بہت بڑا جزیرہ ہوگا اور ہمالیہ پہاڑ نے اس کو اس
سمندر سے جدا کر رکھا ہوگا جو پنجاب اور ہمارے صوبے میں ہوگا۔ اگر ہم ان
دنوں دہرہ دون جانا چاہتے تو جہاز میں بیٹھ کر جانا پڑتا۔

جب آدمی پیدا ہی ہوا ہوگا تو اس کو اپنے ارد گرد بہت بڑے
بڑے خوفناک جانور ہی جانور نظر آتے ہوں گے اور وہ ان سے بہت
ڈرتا رہتا ہوگا۔ اور آج کل؟ اب تو وہ دنیا کا مالک ہے اور جانوروں سے
جو چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ بعض جانوروں کو تو انسان پال لیتا ہے۔ جیسے
گھوڑے، گائے، بیل، ہاتھی، کتے، بلی وغیرہ۔ بعض جانوروں کو وہ کھا جاتا
ہے، جیسے بھیڑ، بکری وغیرہ۔ بعض کو اپنی دل لگی کے لیے شکار کرتا ہے۔
جیسے شیر چیتے وغیرہ۔ ان دنوں میں وہ جانوروں کا مالک نہ تھا، بلکہ خود
ان سے اپنی جان بچاتا پھرتا ہوگا۔ ہوتے ہوتے انسان نے اپنے آپ کو اور
اچھا اور زیادہ طاقتور بنایا۔ اتنا کہ وہ جانوروں سے زیادہ مضبوط ہوگیا۔
یہ تو پوچھو کہ وہ کس طرح اتنا مضبوط ہوگیا۔ جسمانی طاقت سے نہیں کیونکہ
ہاتھی اس سے بہت طاقتور اور مضبوط ہے، بلکہ اپنی عقل اور دماغی قوت
سے اتنا مضبوط ہوگیا۔

انسانوں کی عقل کے بڑھنے کو ہم شروع زمانے یعنی اب سے لاکھوں
برس پہلے سے اب تک برابر دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ حقیقت میں عقل ہی
وہ چیز ہے جو انسان کو جانور سے جدا کرتی ہے۔ اگر کسی آدمی میں عقل نہ
ہو تو اس میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں ہے۔

انسان نے سب سے پہلی چیز جو معلوم کی وہ غالباً آگ تھی۔ اس وقت تو یہ حال ہے کہ ہم ایک دیا سلائی سے آگ جلا لیتے ہیں۔ لیکن دیا سلائی تو بالکل نئی چیز ہے۔ پرانے زمانے میں یہ کہاں تھی! پرانے زمانے میں وہ پتھر کے ٹکڑوں کو آپس میں رگڑ کر یا ایک دوسرے پر مار کر آگ بناتے تھے۔ وہ اس طرح کہ اگر ایک پتھر کو دوسرے سے رگڑتے یا ایک کو دوسرے پر مارتے ہیں تو اس میں سے چنگاری نکلتی ہے۔ اس چنگاری کو سوکھی گھاس یا کسی اور سوکھی چیز پر ڈال دیتے تھے تو وہ سلگ اٹھتی تھی اور اس سے آگ بنا لیتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنگلوں میں ہوا چلتی ہے تو دو پتھروں یا کسی اور چیز کے رگڑ کھانے سے آگ لگ جاتی ہے اور سارے جنگل میں آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

جانوروں میں اتنی عقل کہاں کہ وہ ایسی باتوں سے کچھ سیکھ لیتے۔ انسان میں عقل تھی۔ اس نے آگ اور اس کے فائدے دیکھے، اور اسے اپنے کام میں لایا۔ سردی میں وہ آگ سے تاپے اور ٹھنڈ سے بچے۔ دوسرا کام اس نے آگ سے یہ لیا کہ اس سے اپنے دشمنوں یعنی بڑے بڑے جانوروں کو ڈرایا اور بھگایا۔ اب جو آگ ایک دفعہ جل گئی تو عورتوں اور مردوں نے یہ چاہا ہوگا کہ یہ بجھنے نہ پائے۔ وہ برابر اس میں پتے یا لکڑیاں ڈالتے رہتے ہوں گے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا ہوگا کہ پتھر کے ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے رگڑ کر یا مار کر بھی آگ بنائی جا سکتی ہے۔ ان کے لئے یہ بہت ہی بڑی "معلومات" تھی، اس سے ان کو جانوروں پر طاقت حاصل ہو گئی۔ بس سمجھو کیا تھا۔ اب انسان اس راستے پر پڑ چکا تھا جس نے اس کو دنیا کا مالک بنا دیا۔

---

(۷)

شروع زمانے کے انسان

میرے پچھلے خط سے تمھیں معلوم ہو چکا ہے کہ آدمی اور جانور میں بڑا فرق عقل ہی کا ہے۔ اسی عقل نے آدمی کو بڑے بڑے جانوروں سے زیادہ ہوشیار اور مضبوط بنا دیا ہے۔ اگر آدمی میں عقل نہ ہوتی تو ایک ہی جانور اُس کو مار ڈالتا۔ جیسے جیسے آدمی کی عقل بڑھتی گئی اُس کی طاقت بھی بڑھتی چلی گئی۔ شروع شروع میں آدمی کے پاس اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لئے کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ وہ صرف اتنا ہی کر سکتا تھا کہ دور سے کھڑا ہو کر دشمنوں کی طرف پتھر پھینک دے۔ اب اُس نے پتھر کی کلہاڑیاں، بھالے اور بہت سی اور چیزیں جن میں پتھر کی باریک سوئیاں بھی تھیں بنانا شروع کر دیں۔ تم نے یہ پتھر کی چیزیں لنڈن اور جنیوا کے عجائب خانوں میں دیکھی تھیں۔

میں اپنے کسی پچھلے خط میں برف کے زمانے کا کچھ ذکر کر چکا ہوں۔ یہ زمانہ ہوتے ہوتے گزر گیا۔ وسط یورپ اور ایشیا سے برف کے پہاڑ یا تودے غائب ہو گئے۔ اس سے سردی کم ہو گئی اور گرمی بڑھ گئی۔ گرمی بڑھی تو آدمیوں نے بڑھنا شروع کیا۔

اُس زمانے میں گھر یا کوئی اور عمارت نہیں تھی۔ لوگ پہاڑوں کی کھوؤں میں رہا کرتے تھے۔ کھیتی باڑی بھی کسی کو نہ آتی تھی۔ آدمی پھل اور اپنے مارے ہوئے جانور کھا لیا کرتے تھے۔ اُن کے پاس نہ روٹی تھی نہ چاول کیونکہ وہ بونا جوتنا تو جانتے ہی نہ تھے۔ وہ کھانا پکانا بھی نہیں جانتے تھے۔ شاید وہ گوشت کو آگ دکھا کر گرم کر لیتے ہوں۔

دوسری کان سے نکلی ہوئی مچھلی

اُن کے پاس پکانے کے برتن بھی نہ تھے۔ نہ دیگچی، نہ ہانڈی، نہ کڑھائی۔

ایک بات نہایت عجیب سی معلوم ہوتی ہے! وہ یہ کہ یہ وحشی آدمی لکیریں کھینچنا اور تصویریں بنانا جانتے تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اُن کے پاس کاغذ نہ تھا، نہ قلم، نہ دوات، نہ پنسل، نہ برش۔ اُن کے پاس پتھر کی سوئیاں اور پتھر ہی کی نوکیلی چیزیں تھیں۔ انھیں سے یہ کھوؤں کی دیواروں پر جانوروں کی تصویریں بنا لیا کرتے۔ اُن کی بعض تصویریں خاصی اچھی ہیں، مگر سب ایک ہی ڈھنگ کی ہیں۔ تم جانتی ہو کہ اچھی تصویر بنانی بہت آسان نہیں "پرانے پتھر" والے ایسی اچھی تصویریں بنا گئے ہیں۔ پہاڑ کی کھوؤں میں اندھیرا بہت ہوگا۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پاس کوئی سادہ سا چراغ ضرور ہوتا ہوگا۔

یہ آدمی جن کا ہم حال بیان کر رہے ہیں "پرانے پتھر کے زمانے کے آدمی" کہلاتے ہیں، کیونکہ اس زمانے کے آدمی اپنے سارے ہتھیار اور اوزار پتھر ہی کے بناتے تھے۔ اُن کو دھات سے کام لینا نہیں آتا تھا۔ آجکل جتنی چیزیں ہمارے کام میں آرہی ہیں ان میں بہت زیادہ چیزیں دھات کی ہیں۔ اُن لوگوں کو لوہے یا کانسی کی خبر ہی نہیں تھی اس لئے وہ اُن سے کام نہیں لیتے تھے۔ یہ تو تم آپ ہی کہہ سکتی ہو کہ پتھر سے ہر چیز کا کام لینا بہت زیادہ مشکل ہے۔

"پرانے پتھر کا زمانہ" ختم ہونے سے پہلے دنیا کی آب و ہوا بہت کچھ بدل چکی تھی اور زمین زیادہ گرم ہو گئی تھی۔ برف کے پہاڑ ہٹ کر قطب شمالی کے سمندر میں پہنچ چکے تھے۔ اور وسط ایشیا اور یورپ میں بڑے بڑے گھنے جنگل پیدا ہو گئے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان ہی جنگلوں میں ایک نئی نسل کے آدمی رہنے لگے۔ "پتھر کے زمانے" کے آدمیوں

سے، جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے، یہ نئی نسل زیادہ ہوشیار تھی۔
پھر بھی یہ لوگ اپنے ہتھیار پتھر ہی کے بناتے رہے! اس لئے
یہ لوگ بھی پتھر ہی کے زمانے کے تھے۔ مگر یہ زمانہ پتھر کے زمانے
کا آخری زمانہ تھا۔ اسی لئے یہ لوگ "نئے پتھر کے زمانے کے
آدمی" کہلاتے ہیں۔

ان "نئے پتھر کے زمانے کے آدمیوں" پر غور کرنے سے معلوم ہوتا
ہے کہ اس وقت دنیا میں بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی۔ ان نئے لوگوں کو
عقل نے اور آگے بڑھایا۔ اور جانوروں کے مقابلے میں تو یہ لوگ
بہت جلد آگے بڑھ گئے۔ ان نئے لوگوں نے بڑی بات یہ معلوم کی کہ کھیتی
کس طرح کرتے ہیں۔ انھوں نے زمین کا جوتنا بونا اور کھیتوں سے
اناج پیدا کرنا سیکھ لیا۔ اُن کے لئے یہ بہت بڑی بات تھی۔ پہلے کی طرح
جانوروں کے شکار کرنے کے مقابلے میں اُن کو اب کھانا کسی قدر آسانی
سے مل جاتا! فرصت بھی زیادہ ملنے لگی۔ اس فرصت میں وہ آرام
بھی کر لیتے تھے اور سوچتے بھی رہتے تھے۔ اور جتنی زیادہ فرصت
ملی اتنی ہی زیادہ انھوں نے ترقی کی، کیونکہ انھیں سوچنے کا وقت
زیادہ ملا۔ اسی فرصت میں انھوں نے نئی چیزیں اور نئے طریقے معلوم
کر لئے۔ انھوں نے مٹی کے برتن بنانے شروع کئے اور ان میں اپنا
کھانا پکانے لگے۔ پتھر کے ہتھیاروں کو زیادہ اچھا بنانے لگے
اور ان پر جلا کرنے لگے۔ ان کو جانوروں کا سدھانا بھی آگیا۔ اور
انھوں نے گائے، کتے، بھیڑ، بکری کو اپنے پاس پال لیا۔ ان کو
کپڑا بُننا آگیا تھا۔

یہ لوگ گاؤں یا جھونپڑیوں میں رہنے لگے تھے۔ اکثر یہ جھونپڑیاں
وہ کسی بڑے تالاب یا جھیل کے بیچ میں بناتے تھے، تاکہ جنگلی جانور

یا اور آدمی وہاں پہنچ کر اُن کو آسانی سے نہ ستا سکیں۔ اسی لئے یہ لوگ "جھیلوں کے رہنے والے" کہلاتے تھے۔

تمھیں تعجب ہوگا کہ ہم کو اُن لوگوں کا اتنا حال کیسے معلوم ہوا۔ وہ کوئی کتاب لکھ کر تو نہیں چھوڑ گئے تھے۔ مگر میں تمھیں پہلے بتلا چکا ہوں کہ جس کتاب میں ہم اُن لوگوں کی کہانیاں پڑھتے ہیں، وہ دنیا کی وہ بڑی کتاب ہے، جو ہر وقت ہمارے سامنے کھلی رکھی ہے۔ اس کو پڑھنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑی محنت اور بہت صبر کی ضرورت ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کتاب کو پڑھنے میں اپنی ساری عمریں گنوا دی ہیں، اور پرانے زمانے کی بہت سی پتھر اور چیزیں جمع کر لی ہیں۔ بڑے بڑے عجائب خانوں میں یہ پتھر، چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔ وہیں یہ چیزیں، اور اُن کے علاوہ پتھر کی چمکدار کلہاڑیاں، کچھ سے، سوئیاں اور مٹی کے برتن، جو اُن "نئے پتھر کے زمانے" والوں نے بنائی تھیں، دیکھی جا سکتی ہیں۔ تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے، شاید تمھیں یاد نہ رہی ہوں۔ اگر تم ان کو اب دیکھو تو اچھی طرح سمجھ سکو گی۔

مجھے یاد ہے کہ جینوا کے عجائب خانے میں اُن جھیلوں کے رہنے والے لوگوں کے گھروں کا بہت اچھا نمونہ بنا ہوا رکھا ہے۔ جھیل کے اندر لکڑی کی تھمیاں گاڑ کر اُن کے اوپر لکڑیوں کا ایک چبوترا بنا ہوا ہے۔ اس چبوترے کے اوپر لکڑی ہی کی جھونپڑیاں بنی ہوئی ہیں، اور اُن تک پہنچنے کے لئے ایک چھوٹا سا پُل بھی ہے۔

"نئے پتھر کے زمانے کے لوگ" جانوروں کی کھالوں سے اپنا تن ڈھانکتے تھے۔ بعض وقت سن کا موٹا سا بُنا ہوا کپڑا بھی پہنتے تھے۔ سن کے بہت اچھے اور لمبے تار نکلتے ہیں، اور وہ کپڑا بُننے میں کام

آتے ہیں آج کل تو اس سے باریک کپڑا بھی بنتا ہے؛ لیکن اُن
دنوں میں تو سن کا کپڑا بہت موٹا، بھدّا اور کھُردرا ہوتا ہوگا۔
یہ دوسرے پتھر کے زمانے کے لوگ برابر ترقی کرتے گئے۔ اب
اُنھوں نے تانبے اور کانسی کے ہتھیار اور اوزار بنانے شروع کر دیے
تھے۔ تم جانتی ہو کہ کانسی میں تانبہ اور رانگہ ملا ہوا ہوتا ہے، اور ان
دونوں چیزوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ وہ سونا بھی کام میں لاتے
تھے اور ایسے شیخی باز تھے کہ اُس کا زیور بھی بناتے تھے۔
یہ لوگ آج سے شاید دس ہزار برس پہلے زندہ ہوں گے۔ یہ تو ظاہر ہے
کہ ہم صحیح زمانے کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ یہ صرف قیاس ہی قیاس ہے۔
تم یہ دیکھو گی کہ اب تک ہم لاکھوں برس کا ذکر کرتے آئے ہیں، مگر اب
آہستہ آہستہ ہم اپنے زمانے کے قریب آ رہے ہیں۔ دوسرے
پتھر کے زمانے کے "آدمیوں سے لے کر آج کل کے آدمیوں تک کی جو
زنجیر ہے اس کی کوئی کڑی غائب نہیں ہے؛ نہ اُن دونوں کے درمیان
کوئی یکایک تبدیلی ہوئی ہے؛ پھر بھی اُن میں اور ہم میں بڑا فرق ہے۔
جو تبدیلی ہوئی ہے وہ قدرت کے اور کاموں کی طرح ایسی آہستہ ہوئی
ہے کہ اس کا معلوم کرنا سخت مشکل ہے۔ بہت سی نسلیں پیدا ہوئیں۔
بڑھیں اپنے اپنے طریقے پر اُنھوں نے کام کیا اور اپنی زندگی
پوری کر کے ختم ہو گئیں۔ دنیا کے الگ الگ حصوں کی آب و ہوا الگ
الگ تھی، اس لیے لوگوں نے اپنے تئیں آب و ہوا کے موافق بنا
لیا، اور بہت کچھ بدل گئے۔ اس کے متعلق میں تمھیں پھر کبھی کچھ لکھوں گا۔
آج کے خط میں میں ایک اور بات تمھیں بتلانا چاہتا ہوں۔
دوسرے پتھر کا زمانہ جب ختم ہونے کو آیا تو انسانوں پر ایک نئی آفت
آئی۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس وقت بحر روم نہیں تھا اُس کی جگہ

دو جھیلیں تھیں۔ اور اُن ہی میں آدمی رہتے تھے۔ یکایک جبل طارق
(جبرالٹر) کے قریب کی زمین، جو افریقہ اور یورپ کے درمیان تھی،
بہہ گئی اور بحر اوقیانوس کا پانی اُس گہری زمین کی طرف آنا شروع ہوا۔
جہاں اب بحر روم ہے۔ یہ پانی برابر آتا اور اُس زمین کو بھرتا رہا۔ بہت
سے مرد اور عورت، جو اُس زمین پر، اور اُس کے ارد گرد اور جھیلوں
کی جھونپڑیوں میں رہتے تھے ڈوب گئے۔ اُن کو کہیں اور بھاگ جانے
کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہاں سیکڑوں میل تک پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔
بحر اوقیانوس کا پانی بہا ہوا آتا رہا اور اُس نے تمام زمین کو بھر دیا!
یہاں تک کہ وہ سمندر پیدا ہو گیا جس کو اب ہم بحر روم کہتے ہیں۔

شاید تم نے اس طوفان کا حال کسی سے سنا ہوگا یا کہیں پڑھا ہوگا۔
توریت، انجیل اور قرآن شریف میں بھی اس طوفان کا ذکر ہے اور ہماری
سنسکرت کی کتابوں میں بھی [illegible] کا ذکر آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اتنا
بڑا طوفان یہ تھا کہ پانی [illegible] اس زمین کی طرف رُخ کر آیا ہو جہاں
آجکل بحر روم ہے [illegible] اتنی بڑی آفت تھی کہ بہت ہی کم لوگ [illegible]
[illegible] ڈوب گئے! اور جو لوگ بچے [illegible]
[illegible] سنا ہوگا اور انھوں نے اس کو یاد رکھا ہوگا
[illegible] یہ مصیبت کتنی بڑی تھی [illegible]
[illegible]

(۸)

مختلف نسلیں کیسے بنیں؟

میں نے اپنے پچھلے خط میں "پرانے پتھر کے زمانے" کے لوگوں کا حال لکھا تھا کہ وہ جھیلوں میں جھونپڑے بنا کر رہتے تھے۔ انھوں نے بہت سی باتوں میں بہت بڑی ترقی کر لی تھی۔ انھوں نے کھیتی باڑی کرنا معلوم کر لیا تھا۔ ان کو کھانا پکانا اور جانوروں کو اپنے کام کے لئے سدھانا بھی آ گیا تھا۔ یہ اب سے کئی ہزار برس پہلے کی بات ہے۔ ہم کو ان کی اور کوئی بات معلوم نہیں۔ دنیا میں جتنی نسلیں اس وقت موجود ہیں، غالباً ان میں سے سب سے زیادہ انہی پتھر کے زمانے والے آدمیوں کی اولاد ہیں۔ تم جانتی ہو کہ اس وقت دنیا میں سفید رنگ کے آدمیوں کی نسل، زرد رنگ کے آدمیوں کی نسل، بھورے آدمیوں کی، اور کالے آدمیوں کی نسل موجود ہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ آدمیوں کی ان چاروں نسلوں کو الگ الگ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ نسلیں مل جل گئی ہیں، اور ان میں سے بہت سوں کے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اصل میں کس نسل میں سے ہیں۔ سائنس جاننے والے لوگ پرانے آدمیوں کی کھوپڑیاں ناپ ناپ کر ان کی نسلوں کا پتہ لگاتے ہیں یا نسلوں کے پتہ لگانے کے اور طریقے کام میں لاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ الگ الگ نسلیں کہاں سے پیدا ہو گئیں؟ اگر یہ چاروں نسلیں ایک ہی کی اولاد ہیں تو یہ ایک دوسری سے اتنی الگ الگ کیوں ہیں؟ تم جانتی ہو کہ انگلستان کے رہنے والوں اور افریقہ کے حبشی میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ایک گورا ہے تو

دوسرا کالا۔ انگلستان والے کے بال بھورے اور لمبے ہیں، جبشی کے بال کالے، چھوٹے اور گھونگریالے ہیں۔ چین کا آدمی ان دونوں سے الگ ہے۔ اب یہ بتلانا مشکل ہے کہ یہ فرق کیوں ہوگیا۔ لیکن ہمیں اس فرق کا کچھ نہ کچھ سبب تو معلوم ہے۔ میں پہلے ہی تمھیں بتلا چکا ہوں کہ جانور آہستہ آہستہ اس کس رستے بدل جاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اپنی آس پاس کی چیزوں کے موافق کر لیتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انگلستان والے اور جبشی الگ الگ قسم کے آدمیوں کی اولاد ہوں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دادا، پردادا، کسی نہ کسی پشت (پیڑھی) میں ایک ہی ہوں گے۔ ان میں جو یہ فرق پڑ گیا اس کا ایک سبب یہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے آس پاس کے موافق اپنے آپ کو بنا لیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض جانوروں کی طرح کچھ لوگوں پر بہ نسبت اوروں کے آس پاس کا اثر جلدی پڑ گیا ہو۔

یوں وہ آدمی جو ٹھنڈے ملک کے برفوں میں رہتا ہے، وہ سردی کو زیادہ برداشت کر سکتا ہے۔ ایک اسکیمو[1] ہی ہیں کہ اب بھی شمالی ملکوں کے برفوں میں رہتے ہیں، اور بڑی سخت بڑی سردی کو برداشت کر لیتے ہیں۔ اگر کسی گرم ملک میں، جیسا ہمارا ہندوستان ہے، اُن کو لے آؤ تو وہ غالباً مر جائیں گے۔ وہ باقی دُنیا سے بالکل الگ تھلگ پڑے ہوئے ہیں اور بڑی تکلیف برداشت کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے وہ باتیں نہیں سیکھیں جو دُنیا کے اور آدمیوں نے سیکھی ہیں۔ افریقہ کے لوگ یا وہ آدمی جو خط استوا کے قریب رہتے ہیں اور جہاں

---

[1] یہ بہت ہی پرانے طریقے پر رہنے والے لوگ ہیں۔ امریکہ کے بعض حصوں میں ملتے ہیں۔

سخت گرمی ہوتی ہے، اُن سب کو گرمی برداشت کرنے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ سورج کی گرمی ان کے بدن کے رنگ کو کالا کر دیتی ہے۔ تم جانتی ہو کہ اگر کوئی شخص کسی سمندر کے کنارے جا کر ذرا کہیں اور رہ کر، دھوپ میں رہے تو اس کا رنگ جھلس جائے گا اور وہ سانولے رنگ کا ہو جائے گا۔ اگر کوئی آدمی چند ہفتے دھوپ میں رہ کر سانولا ہو جاتا ہے، تو اس شخص کا کیا حال ہوگا، جس کو ہمیشہ دھوپ ہی میں رہنا پڑے؟ اگر کسی کی کئی پیڑھیاں کسی گرم ملک میں رہی ہوں، تو وہ سانولا ہوتے ہوتے بالکل کالا ہو جائے گا۔ تم دیکھتی ہو کہ ایک کسان دوپہر کی سخت دھوپ میں اپنے کھیت میں کام کرتا ہے، وہ اتنا غریب ہوتا ہے کہ اس کے پاس اتنا بھی نہیں کہ بہت سے کپڑے پہنے اور اپنے بدن کو کپڑے پہن کر دھوپ سے بچائے رہے وہ ننگے بدن دھوپ میں رہتا ہے۔ ساری دھوپ اُسی کے بدن پر پڑتی ہے۔ وہ تمام عمر اسی حالت میں کام کرتا رہتا ہے۔ اس لئے اس کا رنگ کالا ہو ہی جائے گا۔

اسی طرح سے معلوم ہوگا کہ لوگوں کے بدنوں کا رنگ اُس ملک یا جگہ کی آب و ہوا کے موافق ہوتا ہے، جہاں وہ رہتے ہیں۔ بدن کے رنگ کو نسل کی اچھائی یا بُرائی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر کوئی گورے رنگ کا آدمی کسی گرم ملک میں رہے تو کالا ہو جائے گا۔ ہاں اگر وہ اپنے آپ کو خس کی ٹٹی لگا کر اور پنکھا چلا کر گرمی سے بچائے اور دھوپ میں نہ نکلے تو شاید کالا نہ ہو۔ تمھیں معلوم ہے کہ ہم کشمیر کے رہنے والے ہیں۔ دو سو برس ہوئے کہ ہمارے دادا کے دادا، کشمیر میں رہتے تھے۔ تم کشمیر جاؤ تو دیکھو گی کہ ہر

جائے گا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کے رنگوں میں جو فرق ہے اُس کا اصلی سبب یہی آب و ہوا ہے۔ میں اپنے کسی خط میں یہ بتاؤں گا کہ یہ فرق اِس سبب سے بھی ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں آئے وہ الگ الگ نسل کے تھے۔ پُرانے زمانے میں بہت سی نسلوں کے لوگ ہندوستان میں آئے تھے، تو اُنھوں نے یہ کوشش کی کہ وہ اوروں سے نہ ملیں، مگر یہ بات نہیں چلی اور وہ اور نسلوں سے مل جل گئے۔ اب یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ کون لوگ ایسے ہیں جن میں کسی اور نسل کا میل نہیں۔

(۹)
انسان کی نسلیں اور زبانیں

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دُنیا کے کس حصّے میں انسان سب سے پہلے پیدا ہوا، نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ سب سے پہلے انسان کہاں آباد ہوئے۔ شاید یہ ہوا ہے کہ انسان ایک ہی وقت میں دُنیا کے کئی حصّوں میں پیدا ہوا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب برف کے بڑے پہاڑ یا تودے "برف کے زمانے" میں پگھلے اور شمال کی طرف چلے گئے تو انسان زیادہ گرم جگہوں میں رہتا ہو۔ جب برف کے تودے غائب ہوئے تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے میدان بن گئے ہوں گے جیسے آج کل سائبیریا[1] میں بغیر جھاڑی بوٹی کے میدان کے میدان پڑے ہوئے ہیں۔ چوتے ہوتے ان بیابانوں اور میدانوں میں گھاس اُگ آئی ہوگی، اور آدمی وہیں گھومتے رہے ہوں گے؛ کیونکہ ان کو اپنے جانوروں کے واسطے گھاس کی ضرورت رہی ہوگی۔ وہ لوگ جن کے رہنے کی کوئی جگہ مقرر نہیں ہوتی، اور اپنے جانوروں کو لیے پھرتے ہیں تاکہ اُن کو چرنے کی جگہ مل جائے "چرواہے" یا "خانہ بدوش[2]" کہلاتے ہیں۔ اب بھی ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں ایسے خانہ بدوش لوگ پائے جاتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل لوگ بڑے بڑے دریاؤں کے قریب بسنے لگے کیونکہ یہاں کی زمین ایسی اچھی ہوتی ہے کہ آسانی کے ساتھ

---

[1] سائبیریا روس کی عملداری میں ایک بہت بڑا ملک ہے۔

[2] خانہ بدوش کے معنی ہیں "گھر کو کندھے پر لئے پھرنے والا"۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بال بچوں اور گھر کے سامان کو اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں اور ایک جگہ جم کر نہیں رہتے۔
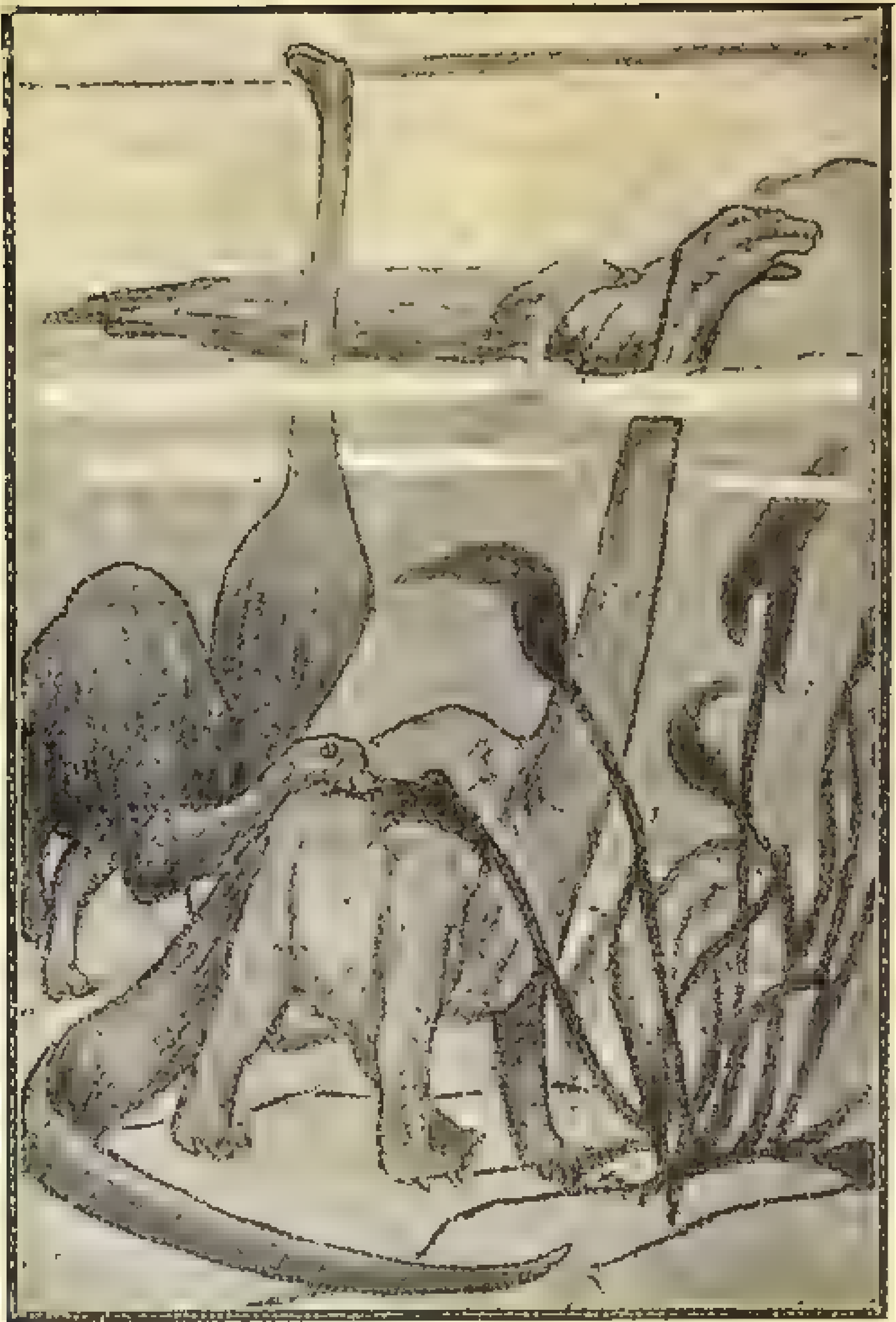
سٹیوسارس، ایک پُرانا رینگنے والا جانور

کھیتی باڑی ہو سکتی ہے۔ پانی بہت ملتا ہی ہے، اس لئے اناج خوب
پیدا ہو سکتا ہے، ہم خیال کر سکتے ہیں کہ ہندوستان میں لوگ ہندوستان
کے بڑے بڑے دریا (جیسے دریائے سندھ اور گنگا) کے قریب بستے
ہوں گے، اسی طرح عراق[1] میں عرب دجلہ اور فرات دریاؤں کے قریب، مصر
میں دریائے نیل کے قریب یوں ہی چین میں وہاں کے کسی بڑے دریا کے
قریب بستے ہوں گے۔

یہاں تک ہمیں معلوم ہے ہندوستان میں سب سے پہلی نسل
دراوڑوں کی تھی، تمہیں آگے چل کر معلوم ہوگا کہ پھر ہندوستان میں
آریا اور منگول آئے۔ دکن میں جو لوگ رہتے ہیں، اُن میں سے بہت زیادہ ایسے
ہیں جو دراوڑوں کی اولاد ہیں۔ شمالی ہندوستان کے لوگوں سے یہ لوگ
زیادہ کالے ہوتے ہیں، شاید اس وجہ سے کہ وہ ہندوستان میں زیادہ
دنوں سے رہتے ہیں۔ دراوڑ بہت ترقی کئے ہوئے لوگ تھے۔ ان کی
زبان الگ تھی، اور وہ دوسرے ملکوں کے آدمیوں کے ساتھ خوب تجارت
کرتے تھے۔ مگر میں بہت جلد جلد آگے بڑھا جا رہا ہوں۔

اسی پرانے زمانے میں ایک اور قوم، یا نسل، ایشیا کے بیچ اور
مغرب میں اور یورپ کے مشرق میں بڑھ رہی تھی۔ یہ آریوں کی نسل تھی۔
ان کی زبان سنسکرت تھی۔ "آریا" سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اس
کے معنی ہیں "شریف آدمی" یا "اونچے خاندان والے" ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو
شریف اور اونچی ذات کے سمجھتے تھے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ویسے ہی
شیخی باز تھے جیسے آجکل کے لوگ ہیں۔ تم جانتی ہو کہ اس وقت ہر ایک
انگریز اپنے آپ کو سب سے بڑا آدمی سمجھتا ہے، یہی حال فرانس والوں کا

---

[1] دجلہ اور فرات کے درمیان کا ملک جس کے ایک طرف عرب ہے اور دوسری
طرف ایران، بصرہ، بغداد وغیرہ اس ملک میں واقع ہیں۔

ہے کہ وہ اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے! جرمنی والے، امریکہ والے اور دوسرے ملکوں کے آدمیوں کا بھی یہی حال ہے۔

آریا، شمالی ایشیا اور یورپ میں جہاں گھاس پات بہت تھی، گھومتے پھرتے تھے۔ اب یہ ہوا کہ ان میں آدمی بہت بڑھ گئے، آب و ہوا بھی بدل کر کچھ گرم ہو گئی اور وہاں گھاس پات بھی کم ہو گئی۔ وہ اتنے زیادہ ہو گئے تھے کہ اب ان کو کھانے کو کم ملنے لگا، اس لئے ان کو کھانے کی تلاش میں اور ملکوں کو جانا پڑا۔ ایک طرف تو وہ سارے یورپ میں پھیل گئے، دوسری طرف وہ ہندوستان، ایران اور عراق عرب میں پہنچ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ، شمالی ہندوستان، ایران اور عراق عرب میں آریوں کی اولاد ملتی ہے۔ وہ اس وقت صورت شکل وغیرہ میں ایک دوسرے سے نہیں ملتے، مگر ہیں سب ایک ہی نسل سے۔ بہت زمانہ ہوا کہ آریا اس طرح پھیلے۔ اس کے بعد یہ بہت کچھ بدل گئے اور ان کا میل دوسری نسلوں سے ہو گیا، لیکن آریوں کی اولاد دور دور پھیلی ہوئی ہے۔

دوسری بڑی نسل منگول کی ہے۔ یہ نسل سارے مشرقی ایشیا میں پھیلی ہے۔ چین، جاپان، تبت، سیام اور برہما میں یہی نسل پائی جاتی ہے۔ اس کو بعض وقت "زرد رنگ کی نسل" بھی کہتے ہیں۔ ان کے گلے کی ہڈی اونچی اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہوتی ہیں۔

افریقہ اور بعض جگہ کے آدمی حبشی ہیں، وہ نہ آریا ہیں نہ منگول۔ ان کا رنگ بہت کالا ہوتا ہے۔

عرب اور فلسطین کے آدمی ایک اور ہی نسل کے ہیں۔ وہ عرب اور عبرانی کہلاتے ہیں۔

ہزاروں برس کے عرصے میں ان نسلوں کے لوگ ٹوٹ ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے قبیلے یا برادریاں بن گئیں، اور ایک کا دوسرے سے میل ہو گیا۔ لیکن اس کے متعلق ہمیں اس وقت کچھ زیادہ ذکر نہیں کرنا ہے۔ بہت زیادہ ضروری اور مزیدار بات تو یہ ہے کہ یہ برادریاں اپنی اپنی زبانوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اصل میں ہر نسل کی الگ الگ زبان تھی، مگر بڑے عرصے میں بہت سی زبانیں ان سے نکل کر الگ ہی زبانیں یا بولیاں بن گئیں۔ لیکن ان سب زبانوں کی ماں ایک ہی ہے، اور یہ سب ایک ہی کنبے

(۱۰)

زبانوں کا آپس میں تعلّق

میں پچھلے خط میں تمھیں بتلا چکا ہوں کہ آریا بہت سے ملکوں میں پھیل گئے، اور اپنی زبان، جو کچھ بھی تھی، جہاں کہیں بھی گئے، اپنے ساتھ لیتے گئے۔ لیکن مختلف آب و ہواؤں اور مختلف حالتوں نے آریوں کی ذاتوں میں فرق ڈال دیا۔ ہر ایک گروہ اپنی اپنی طرح بدلتا چلا گیا، اور ہر ایک میں الگ الگ عادتیں اور الگ الگ رسمیں بنتی چلی گئیں۔ وہ الگ الگ ملکوں میں رہتے تھے، اس لئے ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے تھے؛ کیونکہ اُس زمانہ میں سفر کرنا بہت ہی مشکل تھا۔ ہر گروہ دوسرے گروہ سے بالکل جدا ہو گیا۔ اگر کسی ملک والے نے کوئی نئی بات سیکھی تو وہ دوسرے ملک والے کو نہیں بتلا سکا؛ اس لئے سب اپنی اپنی طرح بدلتے چلے گئے۔ تھوڑی سی پیڑھیوں کے بعد آریوں کے ایک کنبے کے کئی کنبے بن گئے؛ یہاں تک وہ یہ بھی بھول گئے کہ ہم ایک ہی بڑے کنبے کے ہیں۔ اُن کی ایک زبان کے کئی ٹکڑے ہو گئے اور اُن کے آپس میں بڑا فرق پڑ گیا۔

اگرچہ اُن کے آپس میں اتنا فرق ہے، مگر بہت سے لفظ ایسے ہیں کہ جو بہت سے دیس کی زبانوں میں ایک ہی سے ہیں۔ آج ہزاروں برس کے بعد اس وقت بھی ہم کو مختلف زبانوں میں ایسے لفظ ملتے ہیں؛ وہ لفظ یہ ثابت کرتے ہیں کہ کسی زمانے میں یہ زبانیں ایک ہی رہی ہوں گی۔ تم جانتی ہو کہ فرانسیسی اور انگریزی میں بہت سے لفظ ایک ہی جیسے ہیں۔

اگوانوڈان

آؤ! دو لفظوں پر غور کریں، جو سب بولتے ہیں۔ یہ دو لفظ "باپ" اور "ماں" ہیں۔ تم جانتی ہو کہ سنسکرت اور ہندی میں باپ کو "پتا" اور ماں کو "ماتا" کہتے ہیں۔ لاطینی میں باپ کو "پیٹر" اور ماں کو "میٹر" کہتے ہیں۔ یونانی میں "پاتر" اور "میٹر"، جرمنی میں "فاٹر" اور "مٹر"، فرانسیسی میں "پیری" اور "میری"، فارسی میں "پدر" اور "مادر" کہتے ہیں۔ اسی طرح اور زبانوں کا حال ہے۔ ان لفظوں کی آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قریب قریب ایک ہی ہیں۔ اِن میں وہی بات ہے جیسے ایک کنبے کے آدمیوں کی صورتوں میں ہوتی ہے کہ ایک دوسرے سے ملتی ہے۔ تو یہ ہو سکتا ہے کہ ایک زبان نے دوسری زبان سے کوئی لفظ گویا مانگ کر لے لیا ہو۔ اسی طرح ہندی اور اُردو نے بہت سے لفظ انگریزی سے لے لئے ہیں اور انگریزی نے بہت سے لفظ ہندی اور اُردو سے لے لئے ہیں۔ لیکن "فادر" (باپ) اور "مدر" (ماں) مانگے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ لفظ کبھی نہیں مانگے۔ بالکل شروع ہی شروع میں جب لوگوں نے ایک دوسرے سے بولنا ہی شروع کیا ہوگا تو ماں، باپ [illegible] بولنے لگے، اور ان سب نے اپنے ناموں کی ضرورت [illegible]۔ اس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ لفظ کسی اور زبان سے مانگے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ لفظ ایک ہی دادا کی اولاد یا ایک ہی کنبے کے بول سکتے ہیں۔ اس سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ جو لوگ دور دور الگ الگ ملکوں میں رہتے تھے اور الگ الگ زبانیں بولتے تھے وہ کسی زمانے میں ایک ہی بڑے کنبے کے لوگ ہوا کرتے۔

اگر زبانوں پر ذرا غور کرو تو تمہیں معلوم ہو کہ زبانوں کو [illegible] غور کرنا بڑی ہی مزے دار بات ہے۔ اور اس سے ہم [illegible] ہیں۔ اگر کوئی آدمی تین چار زبانیں جانتا ہے تو آسانی اور [illegible] سکتا

لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔

اس سے تم یہ بھی معلوم کرو گی کہ جو لوگ کہ الگ الگ ملکوں میں دور دور فاصلے پر رہتے ہیں، وہ ایک زمانے میں ایک ہی کنبے کے ہوں گے۔ جب ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تو بہت کچھ بدل گئے۔ اتنے بدل گئے کہ ہم اپنے پرانے رشتے بھی بھول گئے۔ ہر ایک ملک کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہی سب سے اچھے اور سب سے ہوشیار ہیں اور دوسرے ہمارے برابر نہیں۔ ایک انگریز سمجھتا ہے کہ وہ اور اس کا ملک سب سے اچھا ہے، فرانسیسی کو اپنے فرانس اور فرانس کی چیزوں پر بڑا گھمنڈ ہے، جرمنی اور اٹلی والے اپنے ملک کو نہ معلوم کیا کیا سمجھتے ہیں۔ ہندوستانی یہ سمجھتا ہے کہ بہت سی باتوں میں ہندوستان دنیا بھر کے ملکوں سے اچھا ہے۔ یہ سب دھوکا ہی دھوکا ہے کہ ہر شخص خود اپنے آپ اور اپنے ملک کو اچھا سمجھتا ہے۔ مگر حقیقت میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ملے گا جس میں اچھی باتیں اور بری باتیں نہ ہوں۔ اسی طرح کوئی ملک ایسا نہیں جس میں اچھائی اور برائی نہ ہو۔ ہم کو چاہئے کہ اچھی باتیں جہاں کہیں بھی ملیں لے لیں، اور جہاں بری باتیں دکھائی دیں ان کو دور کر دیں۔ ہم کو تو سب سے زیادہ اپنے ملک ہندوستان سے مطلب ہے۔ افسوس ہے آج ہندوستان کا برا حال ہے، اور یہاں کے رہنے والے بہت غریب اور دکھیا ہیں، ان کی زندگی کا کوئی مزہ نہیں۔ ہم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ ہم ہندوستان والوں کو کس طرح خوشحال کریں۔ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے طریقے اور رسم و رواج میں کیا اچھائی ہے، اور اس کو اپنے یہاں قائم رکھیں، اور جو برائی ہو اس کو نکال کر پھینک دیں۔ اگر دوسرے ملکوں میں کوئی اچھائی ہو تو اس کو ضرور

لے لینا چاہئے۔

ہم ہندوستانی ہیں، ہم کو ہندوستان ہی میں رہنا ہے۔ اس لئے ہم کو اس کی بھلائی کے واسطے کام کرنا چاہئے۔ ساتھ ہی یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم دنیا کے ایک بہت بڑے کنبے کے آدمی ہیں اور جو لوگ دوسرے ملکوں میں رہتے ہیں وہ ہمارے بھیجیرے بھائی ہیں۔ اگر ساری دنیا کے آدمی خوش اور اچھی حالت میں ہوں تو ہمارے واسطے کتنی خوشی کی بات ہے۔ اسی لئے ہم کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ دنیا کو ایسی جگہ بنا دیں جہاں رہنے سے خوشی اور ہر طرح کا آرام ہو۔

پہننے کی ضرورت ہوتی ہے، اور گرم ملک میں کم۔ اگر زیادہ کپڑے
پہننا تہذیب کی نشانی نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ کیا تہذیب کی یہ نشانی
ہے کہ جس آدمی کے ہاتھ میں بندوق ہے وہ مہذب ہے، اور جس
آدمی کے پاس بندوق نہیں وہ مہذب نہیں؟ اس میں شک نہیں
کہ جس کے ہاتھ میں بندوق ہوگی وہ زور والا ہوگا، اور جس کے
ہاتھ میں نہیں ہوگی وہ کمزور ہوگا۔ کمزور آدمی کو زور والے آدمی
سے یہ کہنے کی ہمت نہیں پڑ سکتی کہ "تم مہذب نہیں ہو" اگر وہ ایسا
کہے تو زور والا آدمی اُس کو گولی مار دے گا۔

تم جانتی ہو کہ تھوڑے سے برس گزرے، دُنیا میں ایک بہت بڑی
لڑائی ہوئی تھی۔ دُنیا کے بہت سے ملک اُس میں شامل تھے۔ ہر ملک
یہ چاہتا تھا کہ دوسرے ملک کے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالے۔
انگریز یہ کوشش کر رہے تھے کہ جرمن والوں کو مار ڈالیں اور جرمن والے
انگریزوں کو مار ڈالنا چاہتے تھے۔ لاکھوں آدمی اس لڑائی میں مارے
گئے، اور ہزاروں آدمی زخمی ہو گئے اور اُن کے ہاتھ پیر، آنکھ جاتی
رہیں۔ فرانس اور اور ملکوں میں تم نے ایسے بہت سے زخمی آدمی دیکھے
ہوں گے۔ پیرس میں جو ریلیں زمین کے اندر اندر چلتی ہیں اُس میں
اُن زخمیوں اور ہاتھ پیر کھوئے ہوئے لوگوں کے لیے الگ الگ جگہ
بنی ہوئی تھی۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اپنے ہی بھائیوں کو مار ڈالنا یا زخمی کر دینا
کوئی بڑی عقلی یا تہذیب کی بات تھی؟ اگر کہیں بازار میں دو آدمی لڑنے
لگیں اور پولیس کا کوئی آدمی آکر بیچ بچاؤ کرا دے تو تم یہی کہو گی کہ یہ
دونوں بڑے بیوقوف ہیں۔ لیکن ذرا خیال تو کرو، وہ ملک کتنے بڑے
بیوقوف ہوں گے جو ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اور ہزاروں، لاکھوں
آدمیوں کو مار ڈالتے ہیں۔ ان میں اور ان بیوقوفوں میں کیا فرق ہے؟ بلکہ

جنگل میں ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ اگر یہ دو آدمی وحشی کہلائیں گے، تو تم اُن دو ملکوں کو کیا کہوگی جو اس طرح لڑتے ہیں؟

اگر تم اس بات پر اس طرح غور کرو تو تم یہی کہوگی کہ جو ملک انگلستان، جرمنی، فرانس، اٹلی وغیرہ اس بڑی لڑائی میں پڑے اور لاکھوں آدمیوں کو مار ڈالا وہ ہرگز مہذب نہیں ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھو کہ ان ملکوں اور ملک والوں میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔ بے شک اُن ملکوں اور ملک والوں میں بہت سی اچھائیاں ہیں، اور وہاں بہت سے اچھے آدمی رہتے ہیں۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ سمجھنا کچھ آسان نہیں ہے کہ تہذیب کے کیا معنی ہیں، تو تم سچی ہوگی۔ یہ بڑا مشکل سوال ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں، عمدہ عمدہ تصویریں، اچھی اچھی کتابیں، خوبصورت خوبصورت چیزیں، بے شک تہذیب کی نشانیاں ہیں۔ لیکن اس سے بھی زیادہ تہذیب کی نشانی یہ ہے کہ ایسے لوگ نہ ہوں کہ اپنا ہی مطلب نکالیں اور دوسروں کی آرام یا تکلیف سے غرض نہ رکھیں۔ ایسے اچھے آدمی تہذیب والے کہلائیں گے، جو اور لوگوں کے ساتھ مل کر سب کو فائدہ پہنچانے کا کام کریں۔ دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنا اس سے اچھا ہے کہ کوئی آدمی اکیلا کام کرے۔ تمام آدمیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے اوروں کے ساتھ مل کر کام کرنا سب سے اچھا ہے۔

(۱۴)

برادریوں کا بننا

میں نے اپنے پچھلے خطوں میں یہ بتلایا ہے کہ جب انسان
اس زمین پر پیدا ہوا، تو جانوروں میں، اور اُس میں کوئی بڑا فرق نہ
تھا۔ ہزاروں برسوں میں آہستہ آہستہ اس نے ترقی کی اور پہلے سے
کچھ اچھا ہو گیا۔ پہلے تو وہ خود ہی اکیلا شکار کرتا ہوگا جیسے کہ اور جانور آج
بھی کرتے ہیں۔ جب اُس کو زیادہ عقل آئی تو اُس نے سوچا ہوگا کہ اور آدمیوں
کا ایک ریوڑ بنا کر رہنے اور چلنے میں ایسی زیادہ حفاظت ہے۔ اس سے سب
ڈریں گے، اور جانور یا اور آدمی اُس پر حملہ نہیں کریں گے۔ بھیڑ، بکری، ہرن،
یہاں تک کہ ہاتھی بھی ریوڑ بنا کر چلتے پھرتے ہیں۔ سارا ریوڑ سوجاتا ہے تو
اُن میں سے ایک جانور جاگتا رہتا ہے اور اُن کی چوکیداری کرتا ہے۔ تم نے
بھیڑیوں کے گلّے کی کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ روس جیسے ملک میں سردی کے
دنوں میں بھیڑیئے اکثر اکٹھے ہوتے ہیں، کیونکہ وہاں سردی زیادہ ہونے
کی وجہ سے اُنھیں شکار کم ملتا ہے۔ وہ گلّے بنا کر نکلتے ہیں اور آدمیوں پر حملہ
کرتے ہیں۔ اگر بھیڑیا اکیلا ہوتا ہے تو وہ آدمی پر بہت کم حملہ کرتا ہے، لیکن جب
اُن کے گلّے کا گلّا ہوتا ہے تو ہر بھیڑیا اپنے آپ کو اتنا زور والا سمجھتا ہے کہ
آدمیوں پر حملہ کر دیتا ہے۔ آدمی اپنی جانیں بچا کر بھاگتے ہیں تو برف پر چلنے
والی گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے آدمیوں اور بھیڑیوں سے دوڑ ہوتی ہے۔

جب پرانے زمانے کے انسانوں نے تہذیب کی طرف قدم بڑھایا تو وہ
ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے لگے۔ انھوں نے اپنی ایک برادری بنالی
اور سب نے مل کر کام کرنا شروع کیا۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے لگے۔

بن گئی۔

انسان کو زندگی گزارنا بڑا مشکل کام ہوگا، خاص کر برادری بننے سے پہلے اُس کے پاس سر چھپانے کو گھر نہیں ہوگا، نہ بدن ڈھکنے کو کپڑا۔ شاید جانوروں کی کھالیں پہنتے ہوں گے۔ اُس کو ہر وقت لڑائی کا ڈر رہتا ہوگا۔ پیٹ بھرنے کے واسطے اُس کو شکار کرنے اور جانوروں کے مارنے اور پھلوں کے چننے سے فرصت نہ ہوتی ہوگی۔ اُس کو ہر وقت یہی خیال رہتا ہوگا کہ میں دشمنوں سے گھرا ہوا ہوں۔ اُس کو یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ زمین اور آسمان میرے دشمن ہیں کہ کبھی بھونچال آتا ہے کبھی اولے پڑتے ہیں۔ بیچارے غریب کی کیا بُری حالت ہوگی! زمین پر ڈر کے مارے مارا مارا پھر رہا ہوگا، ہر چیز سے ڈرتا ہوگا کیونکہ کسی بات کو نہ سمجھ سکتا ہوگا۔ اگر اولے پڑتے ہوں گے، تو وہ سوچتا ہوگا کہ بادلوں کا کوئی دیوتا مجھ سے خفا ہو گیا ہے اور مجھ پر پتھر برسا رہا ہے۔ دیوتاؤں کے ڈر کے مارے وہ کسی طرح بادلوں کے اُن دیوتاؤں کو خوش کرنا چاہتا ہوگا، جو اولے بھیج اور پریشان کر رہے ہیں۔ وہ سوچتا ہوگا کہ آخر یہ دیوتا کس طرح خوش ہوں! اُس کو سمجھ بوجھ تو ہوگی ہی نہیں، وہ اسی فکر میں گھلا جاتا ہوگا۔ اُس نے سوچا ہوگا کہ بادلوں کے دیوتا بھی خود اُسی جیسے ہونگے اور کھانے کے بھوکے ہوں گے۔ وہ کچھ گوشت لیتا ہوگا یا کوئی جانور مارتا ہوگا اور اُس کو دیوتاؤں کے کھانے کے واسطے کسی جگہ رکھ آتا ہوگا! وہ سمجھتا ہوگا کہ اس طرح وہ پتھر یا اولوں کو روک سکتا ہے!

اس وقت تم کو یہ ایسی بیوقوفی کی بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم اس پر ہنستے ہیں، کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ مینہ کیوں اور کیسے برستا ہے اور اولے کیوں اور کیسے پڑتے ہیں۔ اس سے اور جانوروں کو مار کر دیوتاؤں پر چڑھانے سے کیا واسطہ؟ یہ بیوقوفی ہی ہے! مگر مزے کی بات یہ ہے کہ آج بھی بہت سے آدمی ایسے ملتے ہیں، جو جاہل ہونے کے سبب اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں!

سیراٹو سارس

حال پڑھوگی اور اُن پر غور کروگی کہ اس اچھی چیز سے لوگوں نے کیسی بُری
بُری باتیں پیدا کی ہیں، اور مذہب کا نام لے کر کیا کیا بُرے کام کیے
ہیں تو تمھیں بڑا تعجب ہوگا۔ اس وقت تو بس اتنی ہی بات بتلانی تھی
کہ مذہب کیسے پیدا ہوا اور کیسے بڑھا۔ لیکن چاہے یہ کتنا ہی بڑھ گیا ہو،
مگر آج بھی یہ دیکھا جا رہا ہے کہ مذہب ہی کا نام لیکر لوگ آپس میں لڑتے
اور ایک دوسرے کا سر توڑتے ہیں۔ اسی سے مذہب ڈراؤنی چیز ہو رہا
ہے۔ لوگ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مندروں میں جو خیالی چیز
ہے اُس کو کچھ دے دلا کر خوش رکھیں۔

غرض شروع کے آدمی کو بڑی ہی تکلیفیں اُٹھانی پڑی
ہوں گی۔ اُس کو یا تو اپنے کھانے پینے کی چیزیں ہر روز تلاش کرنا پڑتی
ہوں گی، یا وہ بھوکا مرتا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اُن دنوں کوئی سست
آدمی زندہ ہی نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی آدمی کھانے
پینے کی بہت سی چیزیں جمع کر لیتا، اور بہت دنوں تک کچھ نہ کرتا اور
سُست پڑا رہتا۔

جب برادری بن گئی، تو آدمی کو ذرا سا آرام ملا۔ برادری کے سب
آدمی مل کر کام کر کے کھانے پینے کی چیزیں اتنی جمع کر لیتے کہ ایک اکیلا
آدمی جمع نہ کر سکتا۔ تم جانتی ہو کہ اگر بہت سے آدمی مل جل کر کام کریں
یا ایک دوسرے کی مدد کریں، تو اتنا بہت کام ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی
اکیلا نہیں کر سکتا۔ ایک یا دو آدمی کسی بھاری بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے
لیکن اگر بہت سے آدمی ایک دوسرے کی مدد کریں تو اُسی بوجھ کو آسانی
سے اُٹھا سکتے ہیں۔ جیسا کہ میں بتلا چکا ہوں اُن دنوں انسان نے
ایک اور ترقی کر لی تھی، یعنی کھیتی باڑی سیکھ لی تھی۔ تم کو یہ سُن کر
تعجب ہوگا کہ چیونٹی بھی ایک طرح کی کھیتی کرتی ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں

ہے کہ چیونٹی بھی زمین جوتتی، بوتی اور جب فصل تیار ہوتی ہے تو اناج اکٹھا کر کے اپنے گھر میں لے آتی ہے۔ چیونٹی جو کچھ کرتی ہے، وہ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو کوئی ایسی جڑی بوٹی مل جاتی ہے، جس کے دانے وہ کھاتی ہے، تو اس کے گرد جتنی گھاس ہوتی ہے اس کو نکال ڈالتی ہے، اس سے وہ جڑی بوٹی پھلتی پھولتی ہے۔

شاید کسی زمانے میں آدمی بھی وہی کرتا ہو، جو چیونٹی کرتی ہے اس وقت وہ یہ تو جانتے ہی نہیں ہوں گے کہ کھیتی باڑی کیا چیز ہے۔ یہ سیکھنے کے لیے بھی انھیں بہت زمانہ لگا ہو گا۔ تب کہیں انھوں نے بیج بونا سیکھا ہو گا۔

جب کھیتی باڑی شروع ہوئی تو کھانا ملنا آسان ہو گیا ہو گا، دن بھر شکار کی تلاش میں مارا مارا پھرنے کی ضرورت نہیں رہی ہو گی۔ جتنی محنت انھیں کرنا پڑتی تھی۔ اب اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی ہو گی اور آرام کے لیے وقت زیادہ ملتا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ کھیتی باڑی سے پہلے ہر ایک آدمی شکاری ہو گا۔ مردوں کا تو صرف یہ کام ہو گا کہ گھر سے نکلے اور دن بھر شکار کرتے پھریں۔ عورتیں یا تو بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہوں یا کھانے کے واسطے پھل پھول چن لاتی ہوں۔ جب کھیتی باڑی آئی تو بہت سے اور کام نکل آئے۔ کھیتوں میں کام کرنا ہوتا تھا۔ کچھ شکار بھی کرنا ہوتا اور جانوروں کی دیکھ بھال بھی کرنا ہوتی۔ شاید عورتیں جانوروں کو دیکھتی بھالتی ہوں، اور گائے کا دودھ دوہتی ہوں۔ مردوں میں کچھ آدمی ایک قسم کا کام کرتے ہوں گے اور کچھ دوسری قسم کا۔

تم اس وقت دنیا میں دیکھتی ہو کہ ایک آدمی ایک ہی خاص قسم کا کام کرتا ہے، جیسے ایک آدمی حکیم ہے کہ لوگوں کا علاج کرتا ہے۔ ایک بڑھئی ہے، ایک لوہار ہے، ایک راج ہے، ایک موچی ہے، ایک درزی

ہے، وغیرہ وغیرہ ہر آدمی نے ایک ایک کام اختیار کر لیا ہے، وہ دوسرا کام نہیں جانتا۔ یہی کام کی تقسیم کہلاتی ہے۔ اگر ایک آدمی کسی ایک ہی کام کو کرتا رہے، تو وہ اس کو اچھی طرح کر سکے گا، لیکن اگر وہ بہت سے کام کرنے لگے تو سب کاموں کو اچھی طرح نہیں کر سکے گا۔ آج دنیا میں کام کی تقسیم بہت زیادہ ہے۔

جب کھیتی باڑی شروع ہوئی تو پرانی برادری میں کام کی تقسیم بھی شروع ہوئی۔

---

(١٤)

کھیتی باڑی سے اور کیا کیا باتیں نکلیں

میں نے اپنے پچھلے خط میں کام کی تقسیم کا کچھ حال بتلایا تھا۔
شروع ہی شروع میں جب آدمی شکار ہی کر کے اپنا پیٹ بھرتے تھے تو کام
کی کچھ تقسیم تھی ہی نہیں، نہ ضرورت تھی۔ ہر آدمی شکار کرتا تھا اور مشکل سے
اپنا ہی پیٹ پال سکتا تھا۔ پہلے پہل پہلے کام کی تقسیم مرد اور عورت میں
شروع ہوئی ہوگی۔ مرد شکار کرتا ہوگا اور عورت گھر میں رہ کر بچوں اور
اپنے جانوروں کی دیکھ بھال کرتی ہوگی۔

جب آدمیوں نے کھیتی باڑی سیکھ لی تو بہت سے نئے کام نکل آئے۔
یہیں سے کام کی تقسیم شروع ہوئی۔ کچھ لوگ تو شکار کرتے ہوں گے اور
کچھ جوتنے، بونے اور ہل چلانے میں لگے رہتے ہوں گے۔ جب اور وقت
گزرا ہوگا، تو لوگوں نے اور کام سیکھے ہوں گے، اور اپنا اپنا کام خوب
کرنے لگے ہوں گے۔

بونے جوتنے کا ایک اور اچھا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ گاؤں اور قصبوں
میں رہنے لگے۔ اس سے پہلے سب آدمی الگ الگ شکار کی دھن میں
مارے مارے پھرتے تھے۔ ان کو ایک جگہ مل کر رہنے کی ضرورت ہی
نہ ہوگی۔ جہاں پہنچتے شکار کر کے پیٹ بھر لیتے۔ بھیڑ، بکری، گائے،
بیل، تو ان کو پالنا آتا ہی تھا، ان کے چارے اور پانی کے لئے انھیں
اور بھی بار بار پھرنا پڑتا تھا۔ جب ایک جگہ کا چارہ ختم یا کم ہو جاتا تو
ان کو اس کی تلاش میں کہیں اور جانا پڑتا۔ جب کوئی اور جگہ مل جاتی

تو ساری برادری کو وہاں جانا پڑتا تھا۔

جب کھیتی باڑی شروع ہوئی تو لوگوں کو ایک ہی جگہ، اپنے کھیت کے پاس رہنا پڑتا۔ جس زمین کو انھوں نے بویا جوتا تھا اُسی کو کیسے چھوڑ دیتے؟ اس لئے اُن کو ایک فصل سے دوسری فصل تک ایک ہی جگہ رہنا پڑتا تھا۔ یوں گاؤں اور شہر بس گئے۔

کھیتی باڑی نے جو اچھی باتیں آدمیوں کے لئے پیدا کیں اُن میں سے ایک یہ تھی کہ آدمیوں کی زندگی زیادہ آرام سے کٹنے لگی۔ شکار سے زیادہ تو اس میں آرام ملتا تھا کہ آدمی ایک ہی جگہ رہ کر کھیتی باڑی کرے۔ زمین سے اتنی بہتات کے ساتھ چیزیں پیدا ہوتی تھیں کہ آدمی اُن کو فوراً نہیں کھا سکتا تھا۔ جو کچھ بچتا اُس کو وہ بڑی حفاظت کے ساتھ جمع رکھتا تھا۔

یہیں سے ایک اور بڑی اچھی بات پیدا ہوئی۔ جب آدمی صرف شکاری ہی تھا تو وہ کچھ جمع نہیں کر سکتا تھا، اور اگر کرتا تھا بھی تو بہت ہی تھوڑا۔ وہ کسی طرح پیٹ ہی بھر لیتا ہوگا۔ بینک گھر تو کہتے ہیں انہیں جہاں وہ اپنا روپیہ پیسہ یا مال جمع رکھتا۔ اوّل تو روپیہ پیسہ اس وقت تک نکلا ہی نہ تھا۔ وہ تو روز شکار کرتا تھا اور کھا لیتا تھا۔ اب کھیتی باڑی سے اتنا پیدا ہونے لگا کہ کچھ بچنے بھی لگا۔ جو اناج باقی رہتا وہ اُس کو جمع رکھتا۔ یہیں سے اناج کا بچنا اور اُس کا جمع رکھنا شروع ہوا۔ اناج اس لئے باقی بچنے لگا کہ لوگوں نے ضرورت سے زیادہ محنت کی۔

تم جانتے ہو کہ اب بینک گھر کھلے ہوئے ہیں جہاں روپیہ جمع رہتا ہے۔ جمع کرنے والے کو جتنے روپئے کی ضرورت ہوتی ہے چیک بھیج کر منگوا لیتا ہے۔ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ یہ بچا ہوا روپیہ ہے جو لوگوں کے پاس یا تو خرچ کرنے کے بعد بچ گیا یا اُنھوں نے کم خرچ کر کے بچا لیا اور

بنک گھر میں جمع کر دیا۔ آج کل امیر آدمی وہ سمجھا جاتا ہے جس کا بہت سا
روپیہ بینک گھر میں جمع ہو۔ بیچارے غریب آدمیوں کے پاس اتنا روپیہ
کہاں سے آئے کہ وہ اُسے جمع کریں! آگے چل کر تمھیں معلوم ہوگا کہ
روپیہ کیسے بچ رہتا ہے۔ یہ مت سمجھو کہ جو آدمی زیادہ محنت کرتا
ہے وہی روپیہ بچا سکتا ہے۔ آج کل تو یہ حال ہے کہ جو زیادہ کام کرتا
ہے اس کو اتنا نہیں ملتا کہ وہ بچا کر جمع کر سکے۔ جو کام نہیں کرتا اُس کے
پاس اتنا روپیہ ہوتا ہے کہ وہ بچاتا ہے اور جمع رکھ سکتا ہے۔ صاف
ظاہر ہے کہ یہ بڑی اُلٹی سی بات ہے۔ بہت سے آدمیوں کا یہ خیال ہے
کہ اسی بُری بات کے سبب سے دُنیا میں غریب آدمی زیادہ ہیں۔
اس وقت تم اتنی چھوٹی ہو کہ اس بات کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتیں۔
جب بڑی ہوگی تو سمجھ لو گی۔

اس وقت تو تم صرف یہ یاد رکھو کہ کھیتی باڑی نے یہ کیا کہ لوگوں کو
اتنی محنت کے ساتھ اناج پیدا کیا کہ وہ اُسے فوراً ہی نہیں کھا سکے، اور
جمع کرنے لگے۔ اُن دنوں نہ بینک گھر تھے، نہ روپیہ۔ جن کے پاس
بہت سا اناج، اور بہت سی بھیڑ بکریاں، گائے اور اونٹ وغیرہ
ہوتے، وہی اُس زمانے میں امیر سمجھے جاتے تھے۔

(۱۵)

قبیلے کا شیخ کیسے بنا

مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میرے خط روز بروز پیچیدہ سے ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن ذرا غور کرو تو معلوم ہوگا کہ آج کل زندگی ہی پیچیدہ ہو گئی ہے، اور زندہ رہنا بڑا ہی مشکل ہو گیا ہے۔ بہت پرانے زمانے میں زندگی بہت سادہ تھی۔ مگر خیر! ہم تو اس زمانے پر غور کر رہے ہیں، جب پیچیدگی بڑھنا شروع ہی ہوئی تھی۔ اگر ہم اپنی تحقیقات کو آہستہ آہستہ آگے بڑھاتے جائیں اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ جب زندگی کے کاروبار شروع ہی ہوئے تھے اور ہماری دنیا نئی ہی تھی تو پھر ہوتے ہوتے کیا کیا تبدیلیاں ہو گئی تھیں۔ اگر ہم اس پر اچھی طرح غور کر لیں تو پھر آج کل کی بہت سی باتوں کے سمجھنے میں بہت آسانی ہو گی۔ اگر ایسا نہ کریں گے تو جو کچھ اس وقت ہمارے ارد گرد ہو رہا ہے اس کو ہرگز نہیں سمجھ سکیں گے۔ ہماری وہ ایسی حالت ہو گی جیسی ان بچوں کی جو کسی گھنے جنگل میں راستہ بھول گئے ہوں۔ اسی لئے میں آج تمہیں جنگل کے ایک سرے پر لئے چلتا ہوں کہ وہاں سے راستے کا پتہ ڈھونڈھ کر نکال سکیں گے۔

تمہیں یاد ہوگا کہ ایک دفعہ تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ "بادشاہ کیا ہوتے ہیں؟ اور بادشاہ کیسے بن جاتے ہیں؟" اچھا آؤ! ذرا اس پچھلے زمانے کو جھانک کر دیکھیں جب بادشاہ بننے شروع ہی ہوئے تھے۔

شکار

پہلے تو اس کو یاد رکھو کہ شروع شروع میں کوئی بھی بادشاہ
نہیں کہلاتا تھا۔ لیکن اگر ہم اُن کی بابت تحقیق کرتے جائیں تو ہم کو
بادشاہ اور بادشاہ بننے کی اصلیت معلوم ہو جائے گی۔

میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ قبیلے کیسے بنے تھے۔ جب آدمیوں کو کھیتی
باڑی آ گئی اور کام یا مزدوری کی تقسیم بھی کچھ کچھ ہو گئی تو اب اس کی
ضرورت ہوئی کہ قبیلے کا کوئی آدمی کام کا انتظام کرے۔ اس سے بھی
پہلے ایک قبیلے کے لوگ جب کسی دوسرے قبیلے سے لڑتے تھے تو یہ چاہتے
تھے کہ کوئی بہادر تجربہ کار ہو جو ہمیں لڑائی میں مدد دے۔ کچھ آدمی اُن کا سردار
بن کر اُن کو لڑائی کے واسطے لے کر جاتا تھا۔ وہ قبیلے کا سب سے بڑھا
آدمی ہوتا تھا۔ اس وقت (بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہم میں اس وقت بھی) وہ
شیخ یا سردار کہلاتا تھا۔ وہ قبیلے میں سب سے بڑا، بوڑھا ہوتا تھا
اس لئے یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بہت سی باتیں جانتا ہے اور بڑا تجربہ کار ہے۔
مگر اس شیخ اور قبیلے کے اور آدمیوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا
تھا۔ شیخ بھی سب کے ساتھ مل کر کام کرتا تھا، اور جتنا اناج پیدا
ہوتا تھا اُس کو قبیلے کے سب آدمی مل کر بانٹ لیا کرتے تھے۔ سارا
قبیلہ ساری چیزوں کا مالک ہوتا تھا۔ وہ حال نہ تھا جو اس وقت ہے
کہ ہر آدمی کا گھر الگ ہے، روپیہ الگ ہے۔ غرض ہر چیز الگ الگ
ہے۔ اس زمانے میں تو یہ حال تھا کہ ایک اکیلا آدمی محنت کرکے جو کچھ
پیدا کرتا تھا وہ سارے قبیلے کا ہوتا تھا، کیونکہ کمانے والا بھی اُسی قبیلے
کا ہی ایک آدمی ہوتا تھا۔ قبیلے کے سارے کاموں کا انتظام شیخ کرتا
تھا اس لئے چیزوں کو بانٹنے کا کام بھی وہی کرتا تھا۔

آہستہ آہستہ تبدیلیاں ہونے لگیں۔ کھیتی کی وجہ سے نئے نئے
کام نکلتے چلے آئے اس لئے شیخ کو اپنا سب سے زیادہ وقت انتظام

کرنے اور یہ دیکھنے میں لگانا پڑا کہ قبیلے کے سب آدمی ٹھیک ٹھیک
کام کرتے ہیں یا نہیں۔ اب تک تو شیخ بھی قبیلے کے سب آدمیوں کے
ساتھ مل کر کام کرتا تھا، مگر ہوتے ہوتے شیخ نے قبیلے کا معمولی کام
کرنا چھوڑ دیا۔ یوں وہ قبیلے کے اور لوگوں کے مقابلے میں کچھ دوسری
طرح کا آدمی بن گیا۔ اس سے ایک اور قسم کے کام یا مزدوری کی
تقسیم شروع ہوئی۔ شیخ کا بس یہ کام ہو گیا کہ وہ انتظام کیا کرتا۔
اور لوگوں کو ادھر ادھر کام بتلائے۔ قبیلے کے لوگوں کا یہ کام ہوا کہ وہ
کھیتوں میں جا کر کام کریں، شکار کر لایا کریں، دشمنوں سے لڑائی لڑیں اور
اپنے سردار یعنی شیخ کا حکم مانیں۔ اگر کسی دوسرے قبیلے سے لڑائی ہوتی یا
وہ لوگ آپس ہی میں لڑ پڑتے تو شیخ کے اختیارات اور زیادہ بڑھ
جاتے تھے، کیونکہ لڑائی کے زمانے میں کسی سردار کے بغیر اچھی طرح لڑنا
ناممکن تھا۔ یوں شیخ زیادہ اختیار والا ہوتا چلا گیا۔

انتظام کرنے کا کام اور بڑھا تو شیخ اس کو اکیلا نہیں سنبھال سکتا
تھا۔ اس نے قبیلے میں سے کچھ اور لوگوں کو اپنی مدد کے لئے چن لیا۔
یوں بہت سے انتظام کرنے والے پیدا ہوئے۔ لیکن سب کا سردار
قبیلے کا شیخ ہی رہا۔ اب قبیلے کی ایک اور تقسیم ہوئی۔ ایک تو
انتظام کرنے والے اور دوسرے معمولی کام کرنے والے۔ اب وہ بات
باقی نہ رہی کہ سارے آدمی برابر تھے۔ کچھ لوگ جو انتظام کرنے والے تھے
ان کو دوسرے آدمیوں پر، جو معمولی کام کرنے والے تھے، زیادہ اختیار
ہو گیا۔

تم کو میرے اگلے خط سے معلوم ہوگا کہ شیخ کا اختیار کس طرح
آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔

---

(۱۶)

شیخ نے کس طرح ترقی کی

میں نے جو پرانے قبیلوں اور اُن کے شیخوں کا حال پچھلے خط میں
بیان کیا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ تمھیں بہت خشک نہیں معلوم ہوا ہوگا۔
میں نے اپنے ایک خط میں تمھیں یہ بتلایا ہے کہ اُن دنوں ہر چیز
کا مالک تمام قبیلہ ہوتا تھا، یہ نہیں تھا کہ ایک چیز ایک ہی آدمی کی ہوتی۔
یہاں تک کہ شیخ بھی کسی خاص چیز کا اکیلا مالک نہیں تھا۔ وہ قبیلے میں
جیسے اور آدمی تھے ویسا ہی ایک آدمی تھا۔ چیزوں میں جیسے اور لوگ
حصہ پاتے تھے ویسے ہی وہ بھی ایک حصہ پاتا تھا۔ ہاں وہ انتظام کرنے
والا اور انتظام رکھنے والا تھا، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ قبیلے کے تمام مال
اور جائداد کی حفاظت کرتا ہے۔ جیسے جیسے اُس کے اختیارات اور طاقت
بڑھی ویسے ہی ویسے وہ یہ سمجھنے لگ گیا کہ قبیلے کا سب مال اور جائداد
حقیقت میں خود اُسی کی ہے، نہ کہ سارے قبیلے کی۔ [illegible] یہ
سوچا کہ جب وہ قبیلے کا سردار ہے تو وہ اُس قبیلے کا [illegible]
اس [illegible] یہ پتہ لگے گا کہ یہ خیال کیونکر پیدا ہوا کہ ایک ہی آدمی اپنے آپ
کو قبیلے کی چیزوں کا مالک سمجھنے لگا۔ آج تو یہ معمولی [illegible] ہم یہ
سوچتے اور کہتے ہیں کہ یہ چیز میری ہے اور وہ چیز [illegible]
جیسا کہ میں تمھیں بتلا چکا ہوں، سب سے پہلے [illegible]
اس طرح نہیں کہتے تھے۔ ہر چیز سارے قبیلے کی ہوتی تھی۔
[illegible] شیخ نے یہ سوچنا شروع کیا کہ قبیلے کی [illegible] چیز کا مالک [illegible]

وہ خود ہی ہے، اِس لئے وہ چیزیں جو سارے قبیلے کی ہیں، ان سب
کا وہی اکیلا مالک ہے۔

جب کوئی شیخ مرجاتا تو قبیلے کے سارے آدمی جمع ہو کر کسی
دوسرے آدمی کو اپنا سردار یا شیخ چن لیتے۔ لیکن عام طور پر اوروں کے
مقابلے میں شیخ ہی کے کنبے کے آدمی انتظام کا کام زیادہ جانتے تھے،
کیونکہ وہ لوگ ہمیشہ شیخ کے ساتھ رہتے تھے اور اُس کے کام میں زیادہ مدد
دیتے تھے، اِس لئے سارے کام اور باتوں کو جاننے لگ جاتے تھے۔ اسی
واسطے یہ ہوتا رہا کہ جب کوئی بوڑھا شیخ مرجاتا تو قبیلے کے آدمی اُسی
کے کنبے کے کسی آدمی کو اپنا شیخ بنالیتے۔ اِس کا یہ نتیجہ ہوا کہ شیخ کا کنبہ
کچھ اور کا اور ہوگیا، اور قبیلے والے اپنا سردار ہمیشہ اُسی کے کنبے
سے چننے لگے۔ شیخ کو بہت سے اختیارات حاصل تھے، اِس لئے یہ
ہونا ہی تھا کہ شیخ یہ چاہنے لگا کہ اُس کا بیٹا یا بھائی اُس کی جگہ شیخ بنایا
جائے۔ اُس نے اپنی پوری کوشش کی کہ یہی ہوتا رہے۔ اِس کے واسطے
اُس نے اپنے بیٹے یا بھائی یا کسی قریبی رشتے دار کو اپنا کام اِس طرح
سکھلایا بتلایا کہ وہ اس کی جگہ کام کرنے کے لائق ہو جائے۔ وہ کبھی اپنے
قبیلے سے بھی کہہ دیا کرتا تھا کہ اُس نے فلاں شخص کو اپنی جگہ کے لئے
چنا ہے اور اُسے کام سکھلایا ہے، اس لئے اس کے بعد اُسی شخص
کو شیخ بنایا جائے۔ شروع شروع میں شاید قبیلے والوں کو شیخ کا یہ
کہنا اچھا نہ معلوم ہوا ہو، لیکن ہوتے ہوتے ان کو اس کی عادت سی
پڑ گئی کہ شیخ اُن کو جو کچھ کہہ جاتا یا بتلا جاتا، اُسی پر وہ ہمیشہ عمل کرتے رہتے۔
پھر یہ ہونے لگ گیا کہ جب نیا شیخ بنانا ہوتا تو نہ کوئی آدمی چنا جاتا نہ
کسی کو پسند کیا جاتا، کیونکہ مرنے والا شیخ یہ بتلا ہی جاتا تھا کہ اس کی جگہ
کون آدمی شیخ بنایا جائے گا، اور وہی شخص بنا دیا جاتا، یا وہ آدمی آپ

ہی شیخ بن بیٹھتا۔
اس سے معلوم ہوا کہ شیخ کی جگہ ایسی ہو گئی کہ باپ کی جگہ بیٹا
یا کوئی اور قریبی رشتے دار شیخ ہونے لگا۔ یعنی ایک ہی کنبے میں سے شیخ
ہونے لگے۔ اب تو شیخ کو اور یقین ہو گیا کہ جو چراگاہ یا چیزیں سارے
قبیلے کی تھیں، اُن کا حقیقت میں وہی اکیلا مالک ہے۔ یہاں تک کہ جب
وہ مر جاتا تھا تب بھی وہ اُسی کے کنبے میں رہتی تھیں۔ اب دیکھو کہ
قبیلے میں کس طرح پیدا ہوا کہ فلاں چیز "میری" ہے اور فلاں چیز "تیری"۔
شروع میں تو اس کا کسی کو خواب و خیال بھی نہ تھا۔ سارے
آدمی جو کام کرتے تھے وہ اپنے واسطے نہیں کرتے
بلکہ سارے قبیلے کے واسطے کرتے تھے۔ اگر وہ بہت سی خوراک
یا اور چیزیں پیدا کرتے تو سارے قبیلے کے آدمی اُس میں برابر کے
حصے دار ہوتے تھے۔ قبیلے بھر میں نہ کوئی آدمی امیر ہوتا تھا نہ غریب۔
سب قبیلے کی ساری چیزوں میں برابر کے حصے دار تھے۔
لیکن جب سے شیخ نے اُن چیزوں کی جن کا مالک سارا قبیلہ
تھا، چھین جھپٹ شروع کی تو امیر اور غریب آدمی پیدا ہونے لگے۔
اگلے خط میں اس کی بابت کچھ اور لکھوں گا۔

(۱۷)

شیخ بادشاہ بن بیٹھا

بوڑھے شیخ نے ہمارا بہت سا وقت لے لیا۔ کیوں نا؟ اب ہم اُس
سے بہت جلد چھٹی پا جائیں گے، یا یوں کہو کہ وہ اپنا پرانا نام "شیخ"
چھوڑ کر نیا نام اختیار کر لے گا۔ میں نے تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تمہیں
یہ بتلاؤں گا کہ بادشاہ کہاں سے آ گئے اور وہ کیسے پیدا ہوئے۔ بادشاہوں کو
سمجھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ پہلے پرانے زمانے کے شیخ کا ذکر کیا
جائے۔ تم نے یہ تو قیاس کر لیا ہوگا کہ یہی شیخ بعد کو بادشاہ، یا راجہ، مہاراجہ
بن بیٹھا۔ شیخ، عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی بڑے بوڑھے، بزرگ، یا
باپ کے ہیں۔ وہ اپنے قبیلے یا اپنے گروہ میں سب سے بڑا بوڑھا ہوتا
تھا جیسے باپ۔ سنسکرت یا ہندی میں جب ہم اپنے ملک ہندوستان کا ذکر
کرتے ہیں تو اُس کو "ماتا" یا "ماترا بھومی" یعنی "وطن" یا "وطن کی دھرتی"
کہتے ہیں۔ اب جو ہم کہتا رہا ہی چاہئے کہ رہا ہے

جب شیخ کی جگہ اس ہی کی اولاد کو باپ کی جگہ بیٹا شیخ ہونے لگا تو
شیخ میں اور بادشاہ میں بہت ہی کم فرق رہ گیا۔ رفتہ رفتہ وہ بادشاہ کہلانے لگا۔
بادشاہ ہوا تو اُس کو یہ عجیب خیال پیدا ہو گیا کہ سارے ملک میں جو کچھ
ہے وہ سب میرا ہی ہے۔ اُس نے سوچا کہ جس چیز کو ملک کہتے ہیں وہ
خود میں ہی ہوں۔ فرانس کے ایک مشہور بادشاہ نے بھی ایک مرتبہ یہی
کہا تھا کہ "وہ جس چیز کو سلطنت کہتے ہیں وہ میں ہی ہوں" یا یہ کہ "در حقیقت
میں ہی سلطنت ہوں۔" بادشاہ یہ بھول گئے کہ حقیقت میں ہم
لوگوں ہی نے بادشاہ بنایا ہے اس لئے کہ وہ انتظام کریں اور ملک کی

خوراک اور چیزوں کو لوگوں میں تقسیم کر دیں، وہ یہ بات بھی بھول گئے کہ وہ صرف اس لئے بادشاہت کے واسطے چنے گئے ہیں کہ ان کو قبیلے بھر میں سب سے زیادہ عقل مند اور سب سے زیادہ تجربہ کار سمجھا گیا تھا۔ جب بادشاہ بنے تو انھوں نے یہ خیال کر لیا کہ ہم آقا ہیں اور ملک میں جتنے آدمی ہیں سب ہمارے غلام ہیں۔ مگر سچی اور اصلی بات یہ تھی کہ خود وہی ملک کے غلام تھے۔
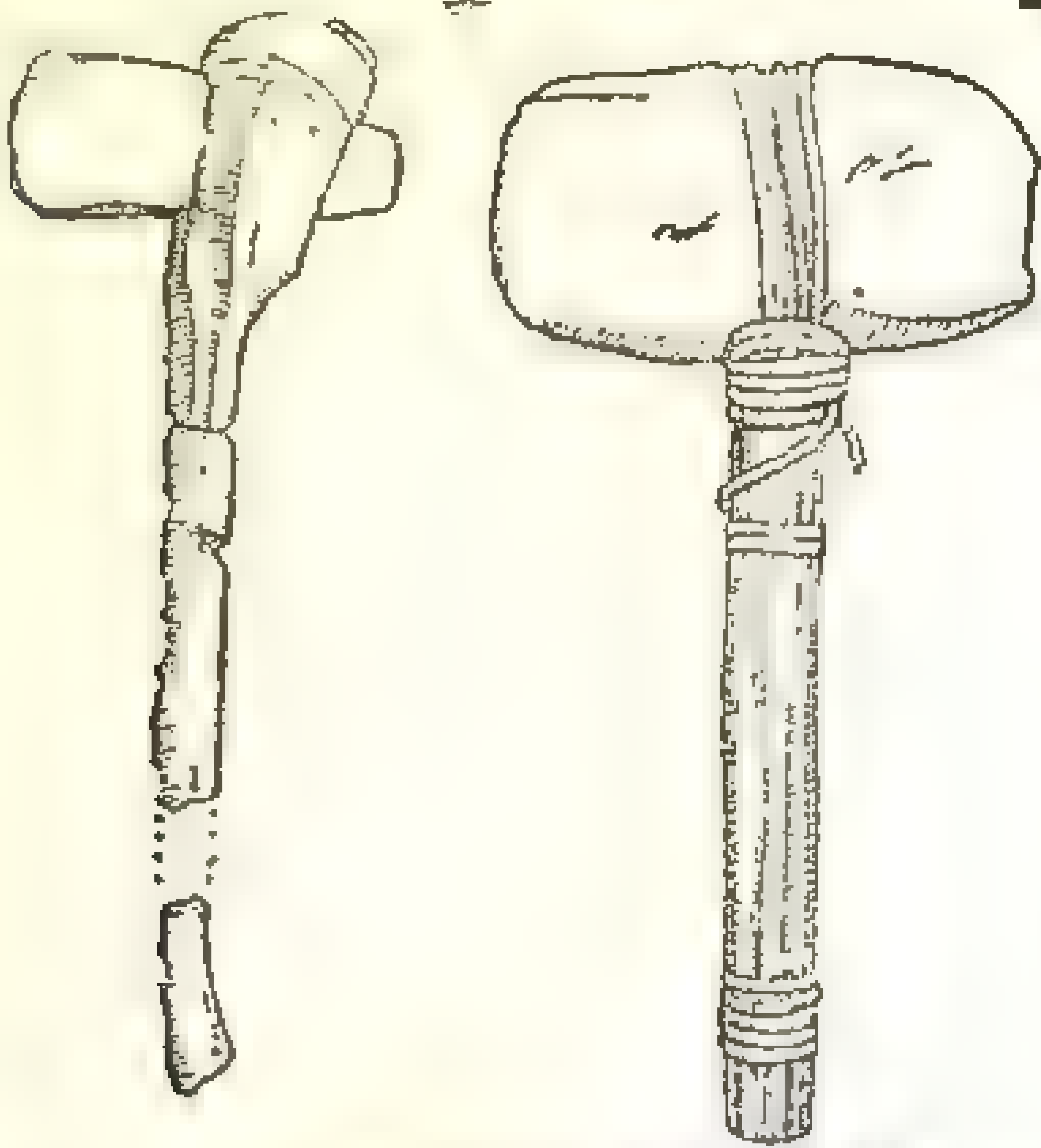
پتھر کے زمانے کے آخری اوزار

جب تم آگے چل کر تاریخ کی کتابیں پڑھوگی تو تم کو معلوم ہوگا کہ بادشاہوں میں یہ عجیب خیال پیدا ہو گیا کہ ہمارے بادشاہ بننے میں لوگوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے کہ "خود خدا ہی نے ہمیں بادشاہ بنایا ہے"۔ اس کو وہ "خدا کا دیا ہوا حق" کہنے لگے۔ ان میں یہ غلط خیال رہا۔ ادھر تو وہ بڑی شان اور شوکت سے رہنے اور خوب عیش کرنے لگے اور ادھر بیچاری رعایا

فاقے کرنے لگی۔ آخر رعیت کب تک صبر کرتی! اُنھوں نے بعض ملکوں سے اپنے بادشاہوں کو نکال باہر کیا۔ تم یہ بھی پڑھو گی کہ انگلستان کے لوگ اپنے بادشاہ، چارلس اوّل کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے؛ اس کو لڑائی میں شکست دی اور مار ڈالا تھا۔ اسی طرح فرانس میں بڑا انقلاب ہوا اور رعیت نے یہ طے کیا کہ ہم کو کسی بادشاہ کی ضرورت نہیں ہے۔ تم کو یاد ہوگا کہ جب ہم فرانس میں تھے تو پیرس کا ایک قید خانہ دیکھنے گئے تھے۔ تم بھی ہمارے ساتھ تھیں نا؟ اسی قید خانے میں فرانس کے
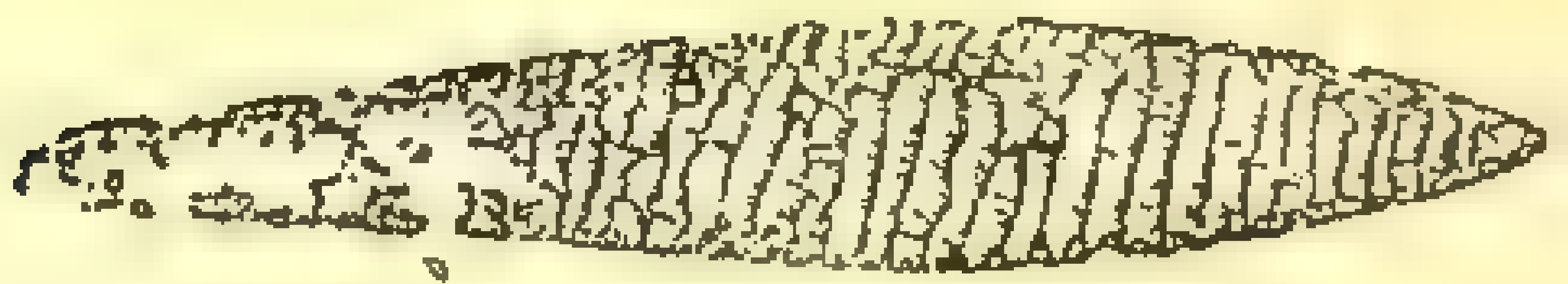
پتھر کے زمانے کے آخری اوزار

بادشاہ کا سارا کنبہ، اُس کی بیوی اور ساتھی قید کیے گئے تھے۔ تم روس کے بڑے انقلاب کا بھی حال پڑھو گی کہ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں کہ وہاں کے لوگوں نے اپنے بادشاہ کو جو زار کہلاتا تھا، نکال باہر کیا تھا۔

بادشاہوں نے اپنے زمانے میں خوب چین کر لی۔ اب بہت زیادہ ملکوں میں بادشاہ ہیں ہی نہیں، نہ فرانس میں بادشاہ ہے، نہ چین میں، نہ

روس میں، نہ سوئٹزرلینڈ میں، نہ امریکہ میں، نہ چین میں، اسی طرح اور
بہت سے ملکوں میں بھی بادشاہ نہیں ہیں۔ ان سب ملکوں میں "ریپبلک"
(پنچایتی راج) ہے، یعنی عام لوگ اپنے گورنر (حاکم) اور سردار کچھ دنوں کے
لئے چن لیتے ہیں، ہمیشہ کے لئے نہیں۔ یہ گورنر اور سردار ایسے
نہیں ہوتے کہ باپ کے بعد اُن ہی کے بیٹے گورنر بنیں۔

تم جانتی ہو کہ ابھی تک انگلستان میں بادشاہ ہے لیکن اس
کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔ وہ بہت ہی کم ایسے کام اپنے اختیار
سے کر سکتا ہے۔ تمام اختیارات پارلیمنٹ (پنچایت) کے ہاتھ میں ہیں۔
اس میں لوگوں ہی کے چنے ہوئے آدمی ہوتے ہیں۔ تم کو یاد ہوگا کہ تم
نے لندن میں پارلیمنٹ دیکھی تھی۔

ابھی ہندوستان میں بہت سے راجہ مہاراجہ اور نواب موجود ہیں۔
تم نے انھیں دیکھا ہوگا کہ وہ اچھے اچھے کپڑے پہنے بڑی قیمتی
موٹر گاڑیوں میں بیٹھے پھرتے ہیں اور اپنے اوپر بہت سا روپیہ خرچ کرتے
ہیں۔ ان کے پاس اتنا بہت سا روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ وہ لوگوں پر
محصول لگا کر روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ محصول تو اس لیے لیا جاتا
ہے کہ اس محصول کے روپیہ سے تمام ملک کے لوگوں کی مدد کی
جا سکے، اور لوگوں کی بھلائی کے کام کیے جائیں۔ مثلاً مدرسے قائم کیے جائیں، کتب خانے
اور شفاخانے بنائے جائیں، اچھی اچھی سڑکیں بنائی جائیں، اور
بہت سے ایسے کام کیے جائیں جن سے رعیت کو آرام اور فائدہ
پہنچے۔ لیکن بہت سے راجے مہاراجے ابھی انگلستان کے بادشاہ
کی طرح یہی سمجھتے ہیں کہ "سلطنت خدا نے ہمیں دی ہے"۔ وہ لوگوں کا روپیہ لے
عیش و عشرت میں اُڑا دیتے ہیں۔ وہ خود مزے اُڑاتے ہیں اور اُن کی رعیت
جو بڑی محنت و مشقت کر کے ان کو روپیہ دیتی ہے، فاقے مرتی ہے اور
اُن کے بچوں کے پڑھنے کے لیے کوئی اسکول تک نہیں۔

(۱۸)

پُرانے زمانے کا تمدّن

ہم ضرورت کے موافق شخصوں اور بادشاہوں کا کافی ذکر کر چکے ہیں۔ آؤ! اب ہم تھوڑی دیر میں پھر پرانے زمانے پر نظر ڈالیں اور اُس زمانے کے تمدّن یعنی رہنے سہنے کے طریقوں کو دیکھیں اور اُن لوگوں کو پتا لیں جو اُن دنوں موجود تھے۔

ہم کو ان پرانے زمانے کے آدمیوں کا بہت زیادہ حال معلوم نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی بہت ہی پُرانے پتھر کے زمانے اور نئے پتھر کے زمانے کے آدمیوں کی بہ نسبت ان لوگوں کا ہمیں زیادہ حال معلوم ہے۔ ہمارے سامنے اب بھی اُن بڑی عمارتوں کے کھنڈر موجود ہیں جو اب سے ہزاروں برس پہلے بنائی گئی تھیں۔ ان عمارتوں، مندروں اور محلوں کے کھنڈروں کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس پرانے زمانے کے آدمی کیسے ہوں گے، اور اُنھوں نے کیا کچھ کیا ہو گا۔

ان پرانے زمانے کی عمارتوں کی سنگ تراشی اور نقّاشی ہماری تحقیقات میں ہم کو خاص طور پر مدد دیتی ہیں۔ بعض جگہ کی سنگ تراشی کو دیکھ کر ہم یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں کہ اُس زمانے کے لوگ کیسا لباس پہنتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں معلوم کر سکتے ہیں۔

ہم ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ پہلے پہل آدمی کہاں بستے ہوں گے، اور اُنھوں نے آہستہ آہستہ تمدّن کس طرح بنایا ہو گا۔ بعض آدمی یہ کہتے ہیں کہ جہاں آجکل بحر اٹلانٹک ہے وہاں کسی زمانے میں بہت بڑا ملک آباد تھا۔ اس ملک کا نام اٹلانٹیس بتلاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس

ملک میں جو لوگ رہتے تھے وہ بہت ترقی کئے ہوئے تھے۔ لیکن جیسا کہ
میں ایک خط میں تمھیں بتلا چکا ہوں، اس ملک کو کسی نہ کسی طرح بحر
اٹلانٹک نے غرق کر دیا۔ اس ملک کا کوئی حصہ بھی اب باقی نہیں رہ گیا۔
مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہاں آبادی تھی۔ یوں ہی قصہ کہانی

جھیل میں بنے ہوئے مکانات
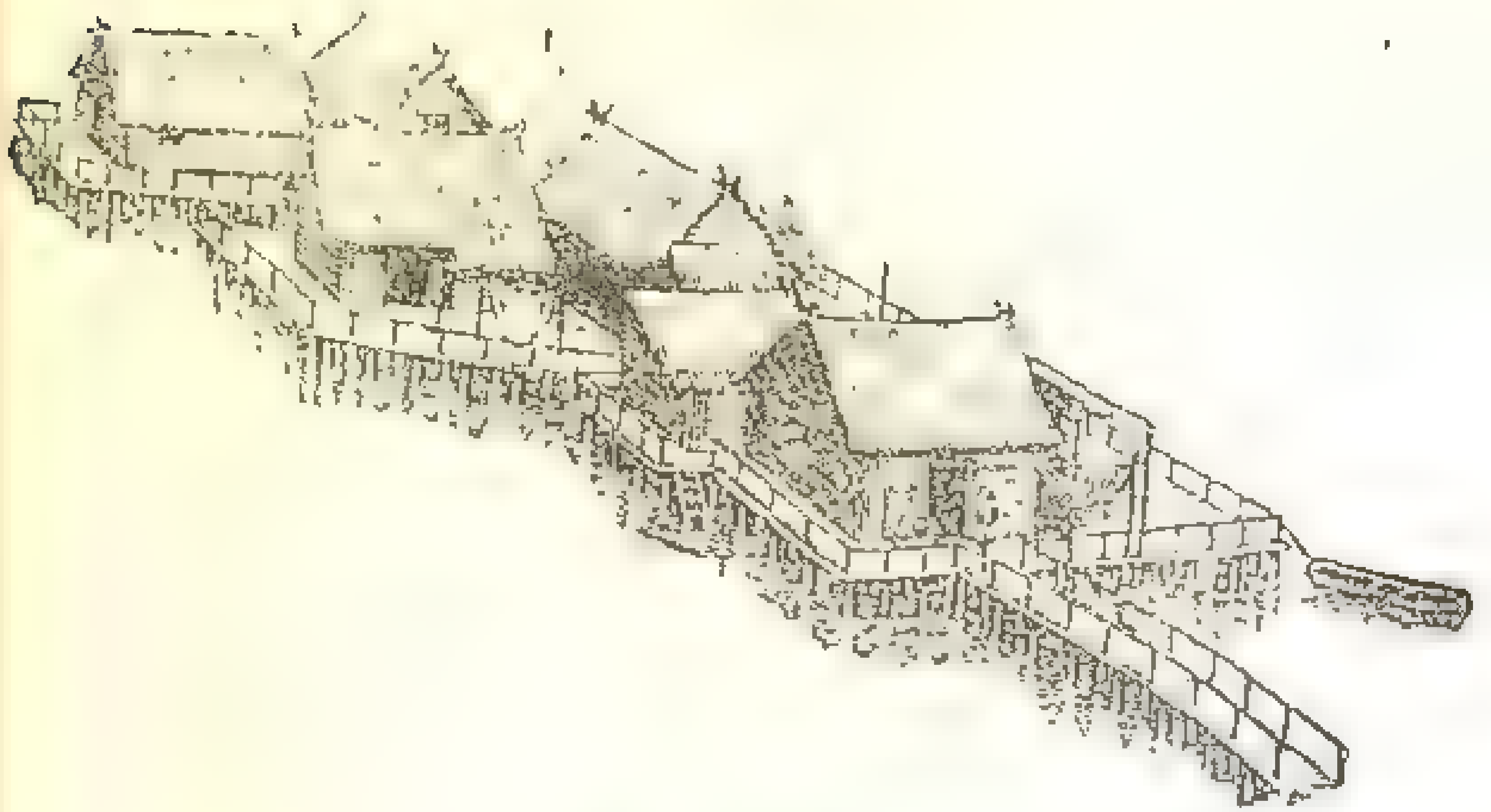
رہ گئی ہے۔ اسی لئے ہم اس کا ذکر بھی تم سے کر دیتے ہیں۔ اس پر غور کرنا
بھی بیکار ہی ہے۔

ہم کو بعض لوگ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ پرانے زمانے میں امریکہ کے
ملک میں جو لوگ رہتے تھے وہ بھی بہت ترقی کئے ہوئے تھے۔ مگر جانتی
ہو کہ یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے کولمبس نے امریکہ کا ملک دریافت
کیا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کولمبس سے پہلے امریکہ کا ملک تھا

ہی نہیں۔ اس کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ یورپ والوں کو اس ملک (امریکہ) کا حال اس وقت معلوم ہوا ہے کہ جب کولمبس نے اس کو دریافت کر کے اُن کو بتلایا ہے۔ کولمبس کے امریکہ پہنچنے سے بہت پہلے لوگ وہاں بستے تھے اور ان میں ایک قسم کی تہذیب بھی تھی۔ امریکہ میں ایک مقام ہے جس کا نام یوکاٹن ہے۔ یہ جگہ شمالی امریکہ کے صوبہ میکسیکو میں واقع ہے۔ اس جگہ بڑی پرانی عمارتوں کے کھنڈر ملتے ہیں۔ جنوبی امریکہ کے صوبہ پیرو میں بھی ایسے ہی کھنڈر ملتے ہیں۔ اسی لئے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ بہت پرانے زمانے میں پیرو اور یوکاٹن میں جو لوگ رہتے تھے وہ ترقی کئے ہوئے تھے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس وقت ہمیں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں۔ شاید آگے چل کر اس کے متعلق اور بہت سی باتیں معلوم ہو جائیں۔

یورپ اور ایشیا دونوں کو ملا کر "یوریشیا" کہا جاتا ہے۔ یوریشیا میں سب سے پرانی تہذیب عراق، عرب، مصر، کریٹ، ہندوستان اور چین کی ہے۔ آج کل تو مصر افریقہ کے حصے میں شامل سمجھا جاتا ہے مگر ہم اسے یوریشیا میں داخل کر سکتے ہیں کیونکہ وہ (مصر) یوریشیا کے بہت قریب واقع ہے۔

پرانے قبیلے جو ادھر اُدھر گھوما کرتے تھے، جب انھوں نے کہیں بسنا چاہا ہوگا تو تم بتا سکتی ہو کہ کس جگہ کو پسند کیا ہوگا؟ انھوں نے ایسی جگہ ڈھونڈی ہوگی جہاں اُن کو خوراک آسانی سے مل سکے۔ اُن کی خوراک کا بڑا حصہ کھیتی باڑی کے ذریعے سے زمین میں پیدا ہو سکتا تھا۔ کھیتی باڑی کے واسطے پانی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ تم جانتی ہو کہ بغیر پانی کے کھیت سوکھ جاتے ہیں اور اُن میں کچھ بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ تم یہ بھی جانتی ہو کہ برسات کے موسم میں جب ہندوستان میں کافی مینہ نہیں برستا تو

اناج بہت کم پیدا ہوتا ہے اور کال پڑ جاتا ہے۔ غریب آدمیوں کو کچھ کھانے کو نہیں ملتا اور وہ بھوکوں مر جاتے ہیں۔ اسی لئے پانی کا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ پرانے زمانے کی بستیاں بسانے والے لوگوں نے ایسی جگہ رہنے کے لئے پسند کی ہوگی جہاں بہت سا پانی ہو؛ اور ایسا ہی ہوا بھی۔

عراق، عرب میں یہ لوگ وہاں کے دو بڑے دریاؤں یعنی دجلہ اور فرات کے بیچ کے علاقے میں بسے۔ مصر میں ان کے لئے دریا نیل تھا ہی۔ ہندوستان میں اُن کے بڑے بڑے شہر دریاؤں یعنی دریاہ سندھ، گنگا اور جمنا کے کناروں پر آباد تھے۔ اُن کے لئے پانی اتنا ضروری تھا کہ اُنھوں نے ان دریاؤں کو بڑا متبرک سمجھا کیونکہ وہ اُن کو بہت سی خوراک اور آرام و آسائش کی چیزیں دیتے تھے۔ مصر میں وہ دریا نیل کو اپنا باپ کہتے تھے، اور اس کو پوجتے تھے۔ ہندوستان میں تم جانتی ہی ہو کہ گنگا کو اب تک بڑا متبرک سمجھا جاتا ہے اور اس کی پوجا ہوتی ہے وہ "گنگا پانی" کہلاتی ہے؛ اور تم سنتی ہی ہوگی کہ اب تک "گنگا مائی کی جے" پکاری جاتی ہے۔ ان دریاؤں کے پوجنے کی وجہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ انھیں بہت کچھ دیتے تھے۔ دریا انھیں صرف پانی ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ وہ اچھی مٹی اور ریت بھی دیتے تھے، جن سے کھیتوں میں اچھی پیداوار ہوتی تھی۔ یہ دریا اور مٹی اور ریت ہی وہ چیزیں تھیں جو اُن کو بہت سی خوراک پیدا کر کے دیتے تھے۔ اسی لئے ان کا دریاؤں کو باپ اور ماں کہنا اور سمجھنا بالکل ٹھیک تھا۔ لیکن لوگ اس کو بھول جایا کرتے ہیں کہ ہم کوئی کام کیوں کرتے ہیں۔ وہ بغیر سوچے سمجھے دوسروں کی نقل کئے چلے جاتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نیل اور گنگا اس لئے متبرک سمجھے جاتے تھے کہ وہ انھیں پینے کو پانی اور کھانے کو خوراک دیتے تھے۔

(۱۹)

پُرانی دُنیا کے بڑے بڑے شہر

تم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ لوگ بڑے بڑے دریاؤں کے پاس اور ایسی گھاٹیوں اور نیچی زمین میں بسے جہاں پیداوار زیادہ ہو سکتی تھی اور پانی زیادہ مل سکتا تھا، اس لیے خوراک زیادہ پیدا ہو سکتی تھی۔ اُن کے بڑے بڑے شہر دریاؤں کے کناروں پر بسے ہوئے تھے۔ ان میں سے چند بڑے مشہور پُرانے شہروں کے نام تم سُنتے رہتے ہیں۔ عراق عرب میں بڑے بڑے شہر بابل، نینوہ اور اسور تھے۔ لیکن مُدتیں ہوگئیں کہ یہ سب شہر اُجڑ گئے۔ جب لوگ وہاں بہت گہری زمین یا ریت کھودتے ہیں تو اُن کے نشان ملتے ہیں۔ ہزاروں برس سے ان کے اوپر اتنی ریت اور مٹّی پڑتی چلی آرہی ہے کہ ان کے نشان بھی نظر نہیں آتے۔ بعض جگہ ان پُرانے شہروں کے اوپر اتنی مٹّی آگئی ہے کہ اُن پر نئے شہر بس گئے ہیں، جو لوگ کہ اُن پُرانے شہروں کو ڈھونڈھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کو بہت ہی گہری کھُدائی کرنی پڑتی ہے کئی جگہ ایسا ہوا ہے کہ ایک شہر کے کھنڈروں کے نیچے دوسرے شہر کے کھنڈر اور نشان ملے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جب وہ شہر بسائے گئے تھے تو ایک دوسرے کے اوپر تو نہیں بسائے گئے ہوں گے۔ ایک شہر سیکڑوں برس آباد رہا ہوگا، اس میں لوگ پیدا ہوئے ہوں گے اور وہ اُن کے بیٹے پوتے، پرپوتے وہیں مرے ہوں گے۔ آہستہ آہستہ اس شہر کو کسی وجہ سے لوگوں نے چھوڑ دیا ہوگا اور اُس میں بہت ہی کم آدمی رہ گئے ہوں گے۔

ہوتے ہوتے کوئی بھی آدمی وہاں نہیں رہا ہوگا، اور سارا شہر
کھنڈروں کا ڈھیر رہ گیا ہوگا۔ پھر ریت اور مٹی نے ان شہروں کو
بھر دیا، کوئی آدمی وہاں ہوگا ہی نہیں کہ اس ریت اور مٹی کو ہٹا دیتا۔
کئی ہزار برس اس طرح گزر گئے ہوں گے اور ریت اور مٹی نے شہر
کو ڈھک لیا ہوگا۔ لوگ بھی اس کو بھول گئے کہ کبھی یہاں کوئی شہر
آباد تھا بھی کہ نہیں، سیکڑوں برس کے بعد نئے لوگ آئے ہوں گے
اور انھوں نے وہیں نیا شہر بسا لیا ہوگا، ہوتے ہوتے یہ
نیا شہر بھی پرانا ہو گیا ہوگا؛ لوگ اسے چھوڑ کے چلے گئے ہوں گے،
اور وہ بھی کھنڈر بن گیا۔ ہوتے ہوتے یہ بھی ریت اور مٹی سے اٹ کر
غائب ہو گیا ہوگا۔ اسی طرح کئی شہر ایسے ملتے ہیں کہ ایک کے اوپر دوسرے
کے کھنڈر ہیں۔ ایسے شہر وہاں ملتے ہیں جہاں ریت زیادہ ہوتا ہے،
کیونکہ ریت ہی ایسی چیز ہے جو اڑ اڑ کر بہت جگہ کو بھر دیتا ہے۔

کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک شہر کے بعد دوسرا شہر آباد ہوا،
اس میں سیکڑوں، ہزاروں، بلکہ لاکھوں، مرد، عورتیں اور بچے بسے،
اور ہوتے ہوتے نہ ان شہروں کا نشان رہا، نہ وہاں کے بسنے والے آدمیوں
کا، جہاں پرانے شہر تھے وہیں پھر نئے شہر بسے؛ ان میں بھی ہزاروں،
لاکھوں آدمی نئے آباد ہوئے، وہ بھی مر گئے، اور اپنا اور اپنے شہر کا
نام اور نشان بھی نہیں چھوڑ گئے؛ میں نے تو ان شہروں کا ذکر دو چار
فقروں میں کر دیا، مگر ذرا سوچو تو سہی کہ ان شہروں کے بننے اور بگڑنے
اور وہیں دوسرے شہروں کے بسنے میں کتنے ہزار برس لگے ہوں گے۔
جب کوئی آدمی ستر یا اسی برس کا ہو جاتا ہے تو ہم اسے بڈھا کہنے
لگ جاتے ہیں۔ لیکن ہزاروں برس کے سامنے یہ ستر اسی برس کیا
چیز ہیں، جب یہ شہر آباد ہوں گے تو ان میں نہ معلوم کتنے چھوٹے

چھوٹے بچے بوڑھے ہو کر مرے ہوں گے۔ اُن کی کتنی پیڑھیاں اسی طرح گزری ہوں گی۔ اب تو بابل اور نینوہ کا ہمارے واسطے صرف نام ہی نام کتابوں میں رہ گیا ہے۔

ایک اور پرانا شہر شام کے ملک میں 'دمشق' ہے! مگر وہ ابھی تک ویران نہیں ہوا، وہ اب تک موجود ہے، اور بڑا آباد شہر ہے! بعضے آدمی تو یہ کہتے ہیں کہ آجکل تو دُنیا بھر میں شاید سب سے پرانا شہر دمشق ہی ہے۔

ہندوستان میں بھی ہمارے بڑے شہر دریاؤں ہی کے کنارے بسے ہوئے ہیں۔ ان بہت ہی پرانے شہروں میں سے ایک شہر اندرپرست تھا، جو دہلی کے کہیں آس پاس آباد تھا، لیکن اب وہ بھی نہیں رہا۔ بنارس یا کاشی بھی بہت پرانا شہر ہے۔ شاید دُنیا کے بہت ہی پرانے شہروں میں سے، جو آجکل موجود ہیں، ایک شہر ہے۔ الہ آباد، کانپور، اور پٹنہ اور ان کے علاوہ اور شہر بھی، جن کے نام تمھیں معلوم ہوں گے، سب کے سب دریاؤں ہی کے کناروں پر بسے ہوئے ہیں۔ لیکن بہت پرانے شہر نہیں ہیں۔ پریاگ جو الہ آباد کہلاتا ہے، اور پاٹلی پُترا، جو اب پٹنہ کہلاتا ہے، خاصے پرانے شہر ہیں۔

چین میں بھی پرانے شہر ہیں۔

(۲۰)

مصر اور کریٹ

پُرانے زمانے کے پُرانے شہروں اور گانوں میں کس طرح کے لوگ رہتے تھے؟ ان کا کچھ حال ہم اُن کے بنائے ہوئے مکانوں اور عمارتوں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اُن پتھروں سے بھی اُن کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے جن پر وہ کچھ لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔ اُس زمانے کی بہت سی پُرانی کتابیں بھی ایسی رہ گئی ہیں، جو اُن کا بہت کچھ حال بتلاتی ہیں۔

مصر میں اب بھی بڑی بڑی بنیادیں، اور ایک عمارت، جس کو "ابوالہول" (ڈر کا باپ) کہتے ہیں، موجود ہیں۔ ان کے علاوہ وہیں کے ایک پُرانے شہر لکسور، اور دوسرے مقامات میں بڑے بڑے مندروں کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ تم نے اُن کو نہیں دیکھا مگر جب ہم سویز کی نہر سے گزر رہے تھے تو ان سے یہ مندر بہت دور نہیں تھے۔ تم نے ان کی تصویریں تو دیکھی ہی ہیں اور غالباً تمہارے پاس اب بھی وہ پوسٹ کارڈ رکھے ہوں گے جن پر ان کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ "ابوالہول" کا سر اور چہرہ تو عورت کا سا ہے اور باقی دھڑ شیر کا سا۔ یہ بہت ہی بڑا ہے کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کیوں بنایا گیا تھا، اور اس کا کیا مطلب تھا۔ ابوالہول کا جو چہرہ عورت کا سا ہے اُس چہرے پر کچھ عجیب سی مسکراہٹ ہے، جو کوئی اُسے دیکھتا ہے اُسے تعجب ہوتا ہے کہ وہ عورت کس بات سے مسکرا رہی ہے۔ اسی لئے اگر کسی آدمی کو انگریزی میں یہ کہا جائے کہ وہ "ابوالہول جیسا ہے" تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ تم اُس آدمی کو

نہیں سمجھیں کہ وہ کیسا ہے۔

مصر کے مینار بھی بہت بڑی عمارتیں ہیں۔ اصل میں یہ مصر کے بادشاہوں کی قبریں ہیں۔ مصر کے بادشاہوں کو فرعون کہتے ہیں۔ کیا تمھیں یاد ہے کہ ہم نے لندن کے بڑے عجائب خانے میں مصر کی مومیائی دیکھی تھیں؟ مومیائی کسی آدمی یا جانور کی لاش کو کہتے ہیں لاش کو تیل اور بہت سے مسالے لگا کر اس طرح بنا لیا جاتا تھا کہ وہ سڑتی گلتی نہیں تھیں۔ جب کوئی فرعون مرتا تھا تو اس کی لاش کو مومیائی کر لیا جاتا تھا؛ اور پھر اس کو ان میناروں یا قبروں کے اندر رکھ دیا جاتا تھا۔ ان کے پاس اچھی سونے اور چاندی کے زیور گھر میں کام آنے والی چیزیں اور کھانا رکھ دیا جاتا تھا۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ مرنے کے بعد ان کو ان سب چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ ابھی آٹھ دس برس ہوئے کہ کچھ لوگوں نے ان ہی میناروں میں سے ایک میں، ایک فرعون کی مومیائی کی ہوئی لاش ڈھونڈھ نکالی ہے۔ اس فرعون کا نام "توتن خامن" تھا۔ اس کی مومیائی کے پاس بہت سی خوبصورت اور قیمتی چیزیں بھی رکھی ملی تھیں۔

اُن دنوں مصر والوں نے کھیتوں میں پانی دینے کے لئے اچھی اچھی نہریں، جھیلیں اور تالاب بنائے تھے۔ ان کی کھودی ہوئی خاص کر ایک جھیل بہت مشہور تھی جس کا نام "میر یڈ" تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے کے مصر والے کیسے عقلمند اور ترقی کئے ہوئے لوگ تھے۔ ان کے یہاں بڑے ہی اچھے انجینیر ہوں گے جنھوں نے ایسی اچھی نہریں، جھیلیں اور مینارین بنائیں۔

کریٹ یا جس کو کینڈیا اور قرطیس بھی کہتے ہیں، بحر روم کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ جب ہم پورٹ سعید سے وینس جا رہے تھے تو

اُس کے پاس سے گزرے تھے۔ پُرانے زمانے میں اس چھوٹے سے
جزیرے میں اچھی تہذیب اور تمدّن تھا۔ اس جزیرے میں ایک جگہ
نوسوس ہے، وہاں ایک بہت بڑا محل تھا۔ اس کے کھنڈر اب بھی موجود
ہیں۔ اس محل میں حمام اور پانی کے نل تھے۔ بعض نادان یہ سمجھتے ہیں
کہ نل آج کل کے زمانے ہی میں نکلے ہیں، پہلے نہیں ہوتے تھے! بہت
سے مٹی کے برتن، پتھر کی نقاشی کی چیزیں اور تصویریں اور دھات اور
ہاتھی دانت کی بنی ہوئی اچھی اچھی اور نازک چیزیں نکلی ہیں
اس چھوٹے سے جزیرے میں لوگ امن و امان کے ساتھ رہتے تھے
اور انھوں نے بڑی ترقی کی تھی۔

تم نے بادشاہ میڈاس کا قصہ پڑھا ہو گا کہ اس کو اس لئے بڑی
تکلیف اٹھانی پڑی تھی کہ جس چیز کو وہ چھو دیتا تھا وہ سونے کی بن
جاتی تھی! وہ کچھ کھا بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کا کھانا بھی سونے کا
بن جاتا تھا۔ سونا بھی کہیں کھانے کی چیز ہے؟ اس کو اس کے لالچ
کی یوں سزا ملی تھی، یہ ہے تو یوں ہی ایک خیالی کہانی! مگر اس کہانی
کا مطلب تو صرف یہ بتانا ہے کہ سونا ایسی اچھی یا فائدے کی چیز نہیں
ہے، جیسا کہ لوگ سمجھے ہوئے ہیں۔

کریٹ کے بادشاہوں کو مینوس کہتے تھے۔ وہیں کی ایک اور
کہانی بھی تم نے سنی ہو گی یہ مینوٹور کی کہانی ہے جس کو یہ کہا جاتا ہے
کہ وہ ایک بڑا خوفناک دیو تھا۔ اس کا آدھا بدن آدمی کا سا تھا اور
آدھا بیل کا سا۔ کہتے ہیں کہ اس دیو کے کھانے کے لئے جوان جوان مرد
اور جوان جوان لڑکیاں دی جاتی تھیں۔ میں پہلے تمھیں بتلا چکا ہوں
کہ مذہب کا خیال پہلے پہلے کسی نامعلوم چیز کے ڈر سے پیدا ہوا تھا۔
لوگ خدا کی قدرت کو نہیں جانتے تھے، نہ ان باتوں کو سمجھتے تھے جو

ہمارے اردگرد ہر وقت ہوتی، بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں۔ لوگوں کو ڈر
تو ہر وقت لگا ہی رہتا تھا، اس لئے وہ بہت سی بیوقوفی کی باتیں
کیا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں بھی اس ڈر کی وجہ سے
بھینٹ چڑھائی جاتی ہوں مگر یہ بھینٹ اس دیو پر تو کیا کیونکہ میرے
نزدیک تو ایسا دیو کبھی تھا ہی نہیں) بلکہ کسی نامعلوم دیوتا پہ چڑھائی
جاتی ہوں گی۔

اُس پرانے زمانے میں تمام دُنیا میں آدمی کی قربانی یا بھینٹ
ہوتی تھی، یعنی مردوں اور عورتوں کو اُن خیالی چیزوں کے سامنے
مار ڈالا جاتا تھا جن سے لوگ ڈرتے تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس بھینٹ
کا خون، ہڈی، غرض سب کچھ ان دیوؤں کے کھانے کے لئے پہنچ
جاتا ہے۔ یہی اُن کی پوجا تھی۔ مصر میں لڑکیوں کو دریا نیل میں ڈال دیا
جاتا تھا، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس سے "باپ نیل" خوش ہوگا۔

خوش قسمتی سے اب انسانی قربانی نہیں کی جاتی! اگر کی جاتی
ہوگی تو دُنیا کے کسی نامعلوم کونے میں۔

(۲۱)

چین اور ہندوستان

تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ عراق عرب، مصر اور بحر روم کے چھوٹے
سے جزیرے کریٹ میں تہذیب اور تمدن پیدا ہوا اور پھلا پھولا اور
پھیلا۔ اُسی زمانے میں چین اور ہندوستان میں بڑی تہذیب شروع
ہوئی اور اپنے طور طریقے سے بڑھی ہے۔

اور جگہوں کی طرح چین میں بھی لوگ بڑے بڑے دریاؤں ہی کے
قریب کی نیچی زمین میں بسے۔ یہ لوگ وہی تھے جو آجکل منگول کہلاتے ہیں
اُنھوں نے پہلے پیتل کے اور پھر سیسے کے خوبصورت برتن بنائے، نہریں
کھودیں، بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کیں، لکھنے کا نیا طریقہ نکالا۔ اُن کے
لکھنے کا طریقہ ہماری ہندی یا انگریزی یا اُردو سے بالکل الگ تھا۔ یہ
ایک قسم کی دو تصویروں والی" لکھائی تھی۔ ایک لفظ اور بعض وقت ایک
پورے فقرے کی ایک سیدھی تصویر ہوتی تھی۔ پرانے زمانے کے مصر، کریٹ

تصویری رمزی تحریر

اور بابل والے اسی قسم کی تصویری لکھائی سے کام لیتے تھے۔ آجکل اس کو "تصویری رمزی تحریر" کہا جاتا ہے۔ تم نے یہ لکھائی عجائب خانوں یا کسی کتاب میں ضرور دیکھی ہوگی۔ مصر اور یوروپ میں یہ لکھائی صرف بہت ہی پرانی عمارتوں پر نظر آتی ہے۔ اب تو مدتیں گزر گئیں کسی نے اس لکھائی سے کام نہیں لیا مگر چین میں اب بھی جو لکھائی ہے وہ ایک قسم کی تصویر رمزی لکھائی ہے جو اوپر سے نیچے کو لکھی جاتی ہے نہ کہ بائیں طرف سے داہنی طرف کو جیسے انگریزی یا داہنی طرف سے بائیں طرف کو جیسے اردو لکھی جاتی ہے۔

ہندوستان میں بہت سی بہت ہی پرانی عمارتیں اب بھی زمین یا ریت میں دبی ہوئی پڑی ہیں وہ ہماری آنکھوں سے اُس وقت تک چھپی رہیں گی کہ جب تک کوئی انھیں کھود نہ نکالے۔ تھوڑے سے بہت پرانے کھنڈر شمالی ہندوستان میں نکال لئے گئے ہیں ہم اتنا تو جانتے ہیں کہ بہت زمانہ گزرا۔ آریوں کے یہاں آنے سے بھی پہلے یہاں ایک قوم رہتی تھی، جو دراوڑ کہلاتے تھے۔ ان دراوڑوں کی تہذیب بھی اچھی تھی۔ یہ لوگ دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ اپنا کئی قسم کا مال عراق عرب اور مصر بھیجتے تھے۔ سمندروں کے راستے سے خاص کر، چاول اور گرم مصالح، جیسے کالی مرچ وغیرہ اور ساگون کی لکڑی، مکان بنانے کے لئے ہندوستان سے وہی بھیجتے تھے۔ کہتے ہیں کہ عراق عرب میں ایک شہر "اُر" تھا اُس کے محل اس ساگون کی لکڑی سے بنے جو دکھن کے ملک سے وہاں گئی تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ سونا، موتی، ہاتھی دانت، مور اور بندر ہندوستان ہی سے یوروپ بھیجے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنوں ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے آپس میں خوب

چین کی بڑی دیوار

تجارت ہوتی تھی۔ تجارت تو اُسی وقت بڑھتی ہے جب لوگ تہذیب یافتہ
ہو گئے ہوں۔

اُن دنوں ہندوستان اور چین میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں یا
حکومتیں تھیں۔ اُن میں سے کوئی ملک بھی کسی ایک بادشاہ کا نہ تھا۔
ہر ایک چھوٹا سا شہر جس میں تھوڑے سے کھیت اور گاؤں ہوتے
تھے ایک الگ ریاست ہوتی تھی۔ یہ "شہری ریاستیں" کہلاتی ہیں۔ اُن
پُرانے زمانے میں بھی اُن ریاستوں میں ری پبلک (پنچایتی) حکومت
تھی۔ بادشاہ کوئی نہیں ہوتا تھا۔ پنچ چُن لئے جاتے تھے، وہ ہی اُس
ریاست پر حکومت کرتے تھے۔ اُن میں بعض جگہ بادشاہتیں بھی تھیں۔
اگرچہ شہری ریاستوں میں الگ الگ حکومتیں تھیں مگر وہ بعض وقت
ایک دوسرے کی مدد بھی کیا کرتی تھیں۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی
بڑی ریاست کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی سردار بھی بن جاتی تھی۔

کچھ دنوں بعد چین میں ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی جگہ ایک
بڑی حکومت قائم ہو گئی، جو ایک بڑی سلطنت تھی۔ اسی سلطنت
کے زمانے میں چین کی مشہور بڑی دیوار بنی تھی۔ تم نے اس بڑی
دیوار کا حال پڑھا ہے۔ تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ یہ دیوار کتنی بڑی
اور عجیب چیز ہے۔ یہ دیوار وہاں کے سمندر سے شروع ہو کر بڑے اونچے
پہاڑوں تک چین کے شمال میں چلی گئی ہے۔ یہ اس
واسطے بنائی گئی تھی کہ منگولی قوم کے لوگ چین میں آ نہ پائیں۔
یہ دیوار ایک ہزار چار سو میل لمبی ہے۔ بیس سے تیس فیٹ تک اونچی
اور پندرہ سے پچیس فیٹ چوڑی ہے۔ اس میں تھوڑی تھوڑی دور پر قلعے
اور برج بنے ہوئے ہیں۔ یہ دیوار اتنی لمبی ہے کہ اگر ہندوستان میں
بنائی جائے تو لاہور سے مدراس تک پہنچے۔ یہ بڑی دیوار اب تک موجود
ہے۔ اگر تم کبھی چین جاؤ تو ضرور دیکھنا۔

(۲۲)

سمندر کا سفر اور تجارت

پرانے زمانے کی قوموں میں سے ایک قوم فینیشین (فی نی شی ین) بڑی دلچسپ قوم تھی یہ اسی نسل کے لوگ تھے جس کے عرب اور یہودی ہیں، یہ لوگ ایشیا کوچک کے مغربی کنارے پر رہتے تھے، آج کل یہ علاقہ ٹرکی کہلاتا ہے، ان کے بڑے شہر عکہ، صور یا ٹائر اور صیدا یا سڈون تھے، جو بحر روم کے کنارے پر آباد تھے۔ یہ لوگ اس واسطے زیادہ مشہور ہیں کہ انھوں نے تجارت کے لئے سمندروں میں بڑے لمبے لمبے سفر کئے تھے۔ وہ بحر روم سے ہو کر سمندر ہی سمندر انگلستان تک پہونچے تھے۔ وہ شاید ہندوستان بھی آئے ہوں۔

یہاں سے دو بڑی مزیدار چیزیں شروع ہوئیں:- ایک سمندر کا سفر، اور دوسرے تجارت ایک نے دوسرے کو مدد دی۔ اس میں شک نہیں کہ ان دنوں ایسے اچھے لمبے آگ بوٹ اور جہاز نہیں تھے جیسے کہ آجکل تم دیکھ رہی ہو، پہلی کشتی جو بنی ہوگی وہ کسی بڑے درخت کا تنا ہوگا جس کو بیچ میں سے کھود کر خالی کر لیا گیا ہوگا، یہ کشتیاں چپوؤں سے چلائی جاتی ہوں گی، اور کبھی کبھی ہوا کے زور کے لئے بادبان سے بھی کام لیا جاتا ہوگا۔ ان دنوں سمندر کے سفر میں مزہ آتا ہوگا، مگر بڑا جوکھم بھی ہوگا۔ ذرا خیال تو کرو کہ بحیرۂ عرب کو چھوٹی سی کشتی میں جو چپوؤں اور بادبان سے چلتی ہو پار کرنے میں کیا حال ہوتا ہوگا۔ کشتی اتنی چھوٹی ہوتی ہوگی کہ اس میں ہلنا جلنا مشکل ہوگا،

کارنک کے مندر کے کھنڈر

اور تھوڑی ہی سی ہوا میں وہ اوپر نیچے ہو جاتی ہے اور غوطے کھانے لگتی ہو گی؛ اور کبھی کبھی ڈوب بھی جاتی ہو گی۔ جو لوگ دل کے مضبوط ہوتے ہوں گے وہی اس کشتی میں بیٹھ کر سمندر میں جاتے ہوں گے۔ سارا سفر خطروں ہی میں گزرتا ہو گا۔ اُن پر مہینوں ایسے گزر جاتے ہوں گے کہ خشکی کی صورت بھی نظر نہ آتی ہو گی۔ اگر انہیں سفر کے درمیان ہی کھانا دانہ کم ہو جاتا ہو گا تو بیچ سمندر میں کچھ ملتا ہی نہ ہو گا۔ مچھلیاں پکڑ لیتے ہوں گے، یا کسی چڑیا کا شکار کر کے پیٹ پالتے ہوں گے۔ سمندر کیا ہے؟ بالکل جان کا کھیل ہے، اور عجیب عجیب چیزوں اور باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ پُرانے زمانے کے ملاحوں پر سمندر میں جو عجیب عجیب معاملے گزرے ہیں۔ اُن کی کہانیاں مشہور ہو گئی ہیں۔

لیکن اِن خطروں پر بھی لوگ سمندر کے پار جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگ تو صرف سیر، تماشے اور عجیب باتیں دیکھنے ہی کے لیے سمندر کا سفر کرتے ہوں گے؛ مگر سب سے زیادہ وہ لوگ ہوتے ہوں گے جن کو سونا اور روپیہ کمانے کا شوق ہوتا ہو گا۔ وہ تجارت کے لیے جاتے تھے۔ مال خریدتے تھے اور بیچتے تھے؛ اور یوں دولت کماتے تھے۔

تجارت کیا ہے اور وہ کس طرح شروع ہوئی ہے؟ آج تو تم بڑی بڑی دکانیں دیکھتی ہو۔ ان دکانوں پر جا کر جس چیز کی ضرورت ہو خرید لانا بہت آسان کام ہے۔ تم نے کبھی اس کو بھی سوچا کہ جو چیز تم خرید کر لاتی ہو وہ کہاں سے آئی ہے؟ تم الہ آباد کی کسی دکان پر سے ایک اونی شال خرید لاتی ہو۔ وہ کشمیر سے الہ آباد تک اتنا لمبا راستہ طے کر کے آیا ہو گا۔ اُس کا اُون کشمیر کے پہاڑوں یا لداخ کی بھیڑوں کی کمر سے کاٹا گیا ہو گا۔ تم جو ایک انجن خریدتی ہو وہ جہاز

اور ریل پر لاکر امریکہ سے آیا ہوگا۔ اسی طرح تم چین، جاپان، پیرس یا
لندن کی بنی ہوئی چیزیں بھی خرید سکتی ہو۔ مگر ذرا کپڑے کے ایک ٹکڑے
پر غور کرو، جو ہندوستان کے باہر کسی ملک کا بنا ہوا ہوتا ہے اور یہاں
آکر بازار میں بکتا ہے، روئی ہندوستان میں پیدا ہوئی، اور وہ انگلستان
بھیجی گئی۔ ایک بہت بڑے کپڑے کے کارخانے نے اس روئی کو خریدا،
صاف کیا، اس کا سوت بنایا، اور کپڑا بُنا۔ پھر یہ روئی کپڑے کی صورت
میں ہندوستان واپس آئی، اور بازاروں میں بکی۔ ذرا خیال تو کرو کہ
اس روئی کو ہندوستان سے انگلستان جانے اور آنے میں کتنے ہزار
میل کا سفر طے کرنا پڑا ہوگا، تب وہ واپس ہندوستان کے بازار میں
بکنے کے لئے پہنچی ہوگی! صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنی بڑی بے وقوفی
کی بات ہے کہ روئی جو ہندوستان میں پیدا ہوئی، اتنی دور انگلستان
میں جائے وہاں کپڑا بُنا جائے اور پھر واپس ہندوستان میں
آجائے۔ اس میں کتنا بے فائدہ وقت، روپیہ اور محنت خرچ ہوتی
ہے ظاہر ہے کہ ہندوستان کی روئی کا کپڑا ہندوستان ہی میں بنے تو
زیادہ سستا اور اچھا ہوگا۔ تم جانتی ہو کہ ہم تم تو ہندوستان کے
باہر کا بُنا ہوا کپڑا نہ خریدتے ہیں نہ پہنتے ہیں، بلکہ ہم کھدر ہی پہنتے
ہیں، کیونکہ جہاں تک ہو سکے اپنے ہی ملک کی بنی ہوئی چیزیں خریدنا اور
ان کو کام میں لانا زیادہ عقلمندی کی بات ہے۔ ہم اس واسطے اور بھی
کھدر خریدتے اور پہنتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے ہم اپنے ملک کے
اُن غریبوں کی مدد کرسکتے ہیں، جو اس کی روئی کو کاتتے اور بُنتے ہیں۔

میرے اس لکھنے سے تمہیں معلوم ہوا ہوگا کہ اس وقت تجارت
بہت پیچیدہ چیز ہوگئی ہے۔ بڑے بڑے جہاز ایک ملک کا مال
دوسرے ملک میں لے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات ہمیشہ سے نہیں

ہوتی آئی تھی۔

شروع شروع کے دنوں میں، جب آدمی ایک جگہ آباد ہی ہوا ہے تو بہت ہی تھوڑی سی تجارت ہوتی تھی۔ جس چیز کی آدمی کو ضرورت ہوتی تھی وہ خود حاصل کرتا یا بناتا تھا۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ اس زمانے میں بہت سی چیزوں کی ضرورت بھی نہ ہوتی تھی۔ پھر جیسا کہ میں تمھیں بتلا چکا ہوں، ہر قبیلے میں محنت کی تقسیم شروع ہو گئی تھی۔ لوگ مختلف قسم کے کام کرتے تھے اور مختلف چیزیں بنایا کرتے تھے۔ بعض وقت یہ ہوتا ہوگا کہ ایک قبیلے کے پاس ایک ہی قسم کی بہت سی چیزیں ہو جاتی ہوں گی۔ اور دوسرے قبیلے کے پاس دوسری طرح کی اور چیزیں۔ اس لیے یہ ضروری ہوتا ہوگا کہ مال کو ایک دوسرے سے بدل لیں۔ فرض کرو کہ ایک قبیلے کے پاس گائیں ہیں اور اناج نہیں۔ وہ کچھ گائیں دے کر اناج سے بدل لیتا ہوگا۔ ان دنوں روپیہ تو ہوتا ہی نہیں تھا۔ چیزوں کی چیزوں سے بدلائی ہوتی تھی۔ اسی سے بدلائی شروع ہوئی۔ لیکن یہ طریقہ بڑی تکلیف دینے والا ہوتا ہوگا۔ ایک بورا اناج یا اسی قسم کی کوئی اور چیز لینے کے واسطے ایک گائے، یا کئی بکریوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا پڑتا ہوگا۔ لیکن اس پر بھی تجارت نے ترقی کی۔

جب سونا اور چاندی معلوم ہو گیا تو لوگوں نے ان سے تجارت میں کام لینا شروع کیا۔ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھا کر لے جانا آسان تھا۔ آہستہ آہستہ یہ رواج ہو گیا کہ چیزوں کے بدلے میں سونا یا چاندی دے دی جاتی تھی۔ جس شخص نے یہ تدبیر سوچی ہوگی وہ واقعی بڑا عقلمند آدمی ہوگا! چیزوں کے بدلے میں سونا اور چاندی کے اس طرح کام میں لانے سے تجارت میں بہت آسانی پیدا ہو گئی۔

پھر بھی آجکل کی طرح سکہ نہیں تھا۔ سونا ترازو میں تول کر دوسرے آدمی کو دیا جاتا تھا۔ بہت دنوں کے بعد سکہ بنا، اور اس سے تجارت کی بدلائی ختم ہو گئی، اور چیزوں کے خریدنے اور بیچنے میں اور بھی زیادہ آسانی ہو گئی۔ تولنے کی ضرورت بھی نہیں رہی کیونکہ ہر شخص کو سکے کی قیمت معلوم تھی۔ اب تو ہر جگہ روپیہ سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ روپیہ خود کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ ہمیں صرف یہ مدد دیتا ہے کہ جو چیز ہم چاہیں اُس سے خرید سکتے ہیں۔ غور کرو تو وہ صرف مال کی بدلائی میں ہمیں مدد دیتا ہے۔ تمہیں میداس بادشاہ کی کہانی یاد کرنی چاہیئے کہ اس کے پاس بہت سا سونا تھا، مگر کھانے کو کچھ نہ تھا۔ اسی طرح جب تک کہ ہم روپیہ کو اپنی ضرورت کی چیز لینے کے کام میں نہ لائیں، خود روپیہ ایک بیکار چیز ہے۔

اب بھی کہیں کہیں گاؤں میں یہ پاؤ گی کہ بعض وقت لوگ مال سے مال بدل لیتے ہیں اور روپیہ نہیں دیتے۔ مگر عام طور پر روپے کا ہی چلن ہے کیونکہ روپیہ دینے میں زیادہ آسانی ہے۔ بعض بیوقوف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روپیہ ہی اچھی چیز ہے، وہ روپیہ پیدا کرتے ہیں اور اُسے جمع کر رکھتے ہیں اور اُس سے کوئی کام نہیں لیتے۔ اس سے یہ معلوم ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ روپیہ کا چلن کیسے ہوا، اور وہ حقیقت میں کیا چیز ہے؟

(۲۳)

بولی، لکھائی اور گنتی

ہم پہلے مختلف زبانوں (بولیوں) کا ذکر کر چکے اور یہ بتلا چکے ہیں کہ ایک زبان کا دوسری زبان سے کیا رشتہ ہے۔ آؤ! تھوڑی دیر کے لئے اس کو سوچیں کہ بولیاں کس طرح شروع ہوئیں۔

ہم بعض جانوروں میں یہ پاتے ہیں کہ وہ کچھ لفظوں کو کام میں لاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سادہ باتوں کے لئے بندر چند چیخوں سے کام لیتا ہے جن کو ہم لفظ کہہ سکتے ہیں۔

تم یہ بھی معلوم کر سکتی ہو کہ جب جانور ڈر جاتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو خطرے کا سبب بتلانا چاہتے ہیں تو اُن کی چیخیں، یا آوازیں ایک خاص قسم کی ہوتی ہیں۔

شاید آدمیوں میں اسی طریقے سے بولیاں شروع ہوئی ہوں یعنی خطرے کے وقت کچھ خاص آوازیں۔ پھر شاید ایسی آوازیں ہوتی ہوں گی جو "مزدوروں کی آوازیں" کہی جا سکتی ہیں جب بہت سے آدمی ایک ہی ساتھ کسی ایک ہی کام کو کرتے ہیں، تو سب مل کر ایک طرح کا شور کرتے ہیں۔ کیا تم نے بہت سے آدمیوں کو کسی چیز کو کھینچتے ہوئے یا کسی بڑے بھاری بوجھ کو اُٹھاتے نہیں دیکھا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن سب کا ساتھ مل کر شور مچانا، یا چیخنا، اُن کو کچھ مدد دیتا رہا ہے۔ یہ "مزدوروں کی سی آوازیں" ہی انسانوں کے پہلے لفظ ہوں گے جن سے اُنھوں نے پہلے کام لیا ہوگا۔

آہستہ آہستہ اُنھیں کچھ اور لفظ بنانے، یا بولنے آئے ہوں گے، یہ لفظ بڑے سادہ اور آسان ہوں گے، جیسے پانی، آگ، گھوڑا، بھالو۔ غالباً پہلے لفظ اسم (نام) ہی ہوں گے، فعل نہ ہوں گے۔ اگر کوئی آدمی یہ کہنا چاہتا ہوگا کہ اُس نے ایک بھالو دیکھا ہے، تو وہ بچوں کی طرح ایک لفظ "بھالو" کہہ کر بھالو کی طرف اشارہ کر دیتا ہوگا۔ اس وقت بات چیت تو بہت ہی کم ہوتی ہوگی۔

زبان نے آہستہ آہستہ ترقی کی۔ پہلے چھوٹے چھوٹے اور پھر بڑے فقرے اُنھیں بنانے آئے ہوں گے۔ غالباً کسی وقت بھی ایسا نہیں ہوا کہ مختلف آدمیوں کی ایک ہی زبان رہی ہو۔ لیکن پھر تھوڑے دنوں کے بعد بھی بہت سی زبانیں نہیں ہوں گی۔ جیسا کہ میں تمھیں پہلے بتا چکا ہوں اُس وقت تھوڑی سی زبانیں ہوں گی، اُن میں سے ہر ایک نے ترقی کی اور ایک زبان کی کئی شاخیں ہو گئیں۔

جس پرانی تہذیب کے زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس زمانے میں زبانوں نے بہت ترقی کر لی تھی۔ بہت سے گیت بن گئے تھے اور بھاٹ اور گانے والے اُن گیتوں کو گاتے تھے، اُن دنوں نہ لکھائی بہت تھی، نہ بہت کتابیں؛ اس لئے لوگوں کو بہت چیزیں زبانی یاد کرنی پڑتی ہوں گی۔ تُک بندیوں کو اور نظموں کو یاد کر لینا آسان ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جن ملکوں میں شروع شروع میں تہذیب تھی، وہاں تُک بندی اور گیت زیادہ پسند کئے جاتے تھے

بھاٹوں اور گانے والوں کو مرے ہوئے بہادروں کی بہادری کے گیت گانے کا خاص کر شوق تھا۔ اُس زمانے کے آدمیوں کو سب سے زیادہ لڑائیوں میں مزہ آتا تھا، اسی لئے اُن کے گیت بھی لڑائیوں میں بہادری دکھلانے کے ہیں۔ ہم ہندوستان میں یہی پاتے ہیں، اور

اور ملکوں میں بھی۔

لکھائی کے شروع ہونے کا قصہ بھی بڑا مزے دار ہے۔ میں چین کی لکھائی کا حال بتا چکا ہوں۔ جتنی لکھائیاں ہیں سب تصویروں ہی سے شروع ہوئی ہوں گی۔ اگر کوئی آدمی مور کی کوئی بات لکھنا چاہتا ہوگا تو وہ مور کی تصویر یا خاکہ بنا دیتا ہوگا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس طرح بہت زیادہ بات نہیں لکھی جا سکتی۔

آہستہ آہستہ تصویریں زیادہ سیدھی سادی، ایک طرح کی نشانیاں ہی ہوتی ہوں گی۔ اس کے بہت زمانہ بعد الف، بے، تے کا خیال آیا ہوگا، اور کسی نے اس کو بنایا ہوگا۔ اس سے لکھنا بہت آسان ہو گیا ہوگا، اور اس میں ترقی بھی بہت جلدی ہی ہوئی ہوگی۔

یہ گنتی اور ہندسوں کا نکلنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ اس وقت یہ سمجھنا بڑا مشکل ہے کہ ہندسوں کے بغیر تجارت کا کام کیسے چلتا ہوگا۔ جس شخص نے ہندسے نکالے ہوں گے وہ بڑے دماغ کا اور بڑا عقلمند آدمی ہوگا۔ یورپ میں جن ہندسوں کا پہلے چلن تھا وہ بڑے بے ڈول سے ہوتے تھے۔ تم جانتی ہو کہ جو ہندسے رومن کہلاتے ہیں وہ اس طرح سے لکھے جاتے تھے:-

I, II, III, IV, V, VI, VII, VIII

IX, X وغیرہ یہ بڑے بے ڈول اور بے ڈھنگے سے ہیں اور ان کو کام میں لانا بڑا مشکل ہے۔ جو ہندسے آج کل سارے یورپ کی زبانوں میں لکھے جاتے ہیں۔ یعنی:-

1, 2, 3, 4, 5, 6, 7, 8, 9, 10 وغیرہ =

وہ رومن ہندسوں سے بہت اچھے اور لکھنے میں آسان ہیں۔
یہ عربی ہندسے کہلاتے ہیں کیونکہ یورپ کے لوگ ان ہندسوں سے عربوں کی وجہ سے واقف ہوئے تھے لیکن خود عربوں نے ان کو ہندوستان سے سیکھا تھا اس لئے ان کو ہندوستانی ہندسے کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔
لیکن میں تو بہت تیز دوڑا جا رہا ہوں۔ ابھی تو ہم عربوں تک پہنچے بھی نہیں۔

(۲۴)

مختلف درجوں کے آدمی

چھوٹے چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں اور سیانوں کو تاریخ کا علم عجیب طرح پڑھایا جاتا ہے۔ وہ بادشاہوں اور اور لوگوں کے نام یاد کر لیتے ہیں، یہ جان لیتے ہیں کہ لڑائیاں کن کن تاریخوں میں ہوئی تھیں اور ایسی ہی اور باتیں انھیں معلوم ہو جاتی ہیں، لیکن یہ تو یقینی بات ہے کہ جس چیز کو تاریخ کہتے ہیں وہ صرف لڑائیاں اور ان چند آدمیوں کا جو بعد کو بادشاہ، یا سپہ سالار ہو گئے" نام یاد کر لینا نہیں ہے۔ تاریخ کے علم کا تو یہ کام ہے کہ وہ ہمیں یہ بتلائے کہ ملک میں کون آدمی بستے تھے۔ وہ کیسے رہتے سہتے تھے، کیا کرتے تھے، کیا کیا باتیں سوچا کرتے تھے۔ تاریخ کو یہ بھی بتلانا چاہیے کہ وہ لوگ کن باتوں سے خوش ہوتے تھے۔ اور کن سے ناخوش، اُن پر کیا کیا مشکلیں پڑیں، اور اُن کا انھوں نے کیا علاج کیا۔ اگر ہم تاریخ کو اس طرح پڑھیں تو ہم اُس سے بہت کچھ سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم پر بھی وہی مشکلیں اور تکلیفیں پڑیں تو ہم کو اپنا تاریخ کا پڑھنا اُن مشکلوں اور تکلیفوں کے رفع کرنے میں مدد دے۔
اگر ہم گزرے ہوئے زمانہ کی تاریخ کو پڑھیں تو وہ ہم کو خاص طور پر یہ معلوم کرنے میں مدد دے گی کہ لوگوں کی حالت اچھی ہوتی گئی تھی یا بری۔ انھوں نے کچھ ترقی کی تھی یا نہیں۔
یہ تو ضروری بات ہے کہ آدمی کو یہ کوشش کرنا چاہیے کہ وہ بڑھے

بڑے مردوں اور بڑی بڑی عورتوں کی زندگی کے حالات پڑھے، اور اُن سے سبق حاصل کرے۔ لیکن ہم کو یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ مختلف قسم کے لوگوں کی پُرانے زمانے میں کیا حالت تھی۔

میں نے تمھیں بہت سے خط لکھے۔ یہ جو بیسواں خط ہے لیکن اب تک ہم اتنے پُرانے زمانے کا ذکر کرتے چلے آرہے ہیں، جس کا بہت ٹھیک حال معلوم نہیں ہے۔ اس کو تاریخ کہنا مشکل ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو "تاریخ کا شروع ہونا" کہہ سکتے ہیں، یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ "یہ اُس زمانے کی باتیں ہیں کہ جب تاریخ کا سورج نکلا ہی تھا"۔ اب ہم جلد ہی اُس بعد کے زمانے پر غور کریں گے، جس کا حال ہمیں کچھ زیادہ معلوم ہے اور جس کو ہم "تاریخ کا زمانہ" کہتے ہیں لیکن پُرانی تہذیبوں کا ذکر چھوڑنے سے پہلے آؤ ذرا اس پر پھر ایک نظر ڈال لیں کہ اُن دنوں کے لوگ کیسے تھے۔

ہم کو یہ معلوم ہوچکا ہے کہ شروع شروع کے قبیلوں نے کس طرح مختلف کام کرنے شروع کیے تھے۔ کام یا محنت کی تقسیم ہوچکی تھی۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ قبیلے کے سردار یعنی شیخ نے اپنے کنبے کو اوروں سے کس طرح الگ کرلیا اور صرف انتظام ہی کا کام اپنے پاس رکھ لیا۔ وہ ذرا اونچے درجے کا آدمی بن گیا، یا یہ کہنا چاہیے کہ اُس کا کنبہ دوسرے کنبوں سے کچھ الگ سا ہوگیا۔ یوں دو قسم کے آدمی ہو گئے۔ ایک تو وہ جو انتظام کرتے اور حکم چلاتے تھے اور دوسرے وہ جو سچ مچ کام کرتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ کہ انتظام کرتے تھے اُن کو بہت اختیارات حاصل تھے، وہ اُن کی وجہ سے جس چیز پر اُن کا ہاتھ پڑا اُس پر قبضہ کرتے چلے گئے۔ وہ زیادہ مال دار بھی ہوتے گئے کیونکہ

اُنھوں نے کام کرنے والے آدمیوں سے بہت کچھ چھین لیا۔

مدتوں کام کی تقسیم ہوتی، اور کئی درجے بنتے چلے گئے۔ ایک
تو بادشاہ اور اُس کا کنبہ بنا، اور دوسرا اُس کے درباری آدمی یہ ملک
کے انتظام کا کام کرتے تھے اور ملک ہی کے واسطے لڑتے تھے۔ عام
طور پر وہ اور کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

دوسرے مندروں کے پروہت اور پجاری، اور مندروں کے
نوکر چاکر تھے۔ اُس زمانے میں ان لوگوں کی بڑی قدر تھی۔ ہم اُن کے کاموں
کا پھر ذکر کریں گے۔

تیسرے سوداگر تھے۔ یہ لوگ بیوپار کرتے تھے، مال کو ایک ملک
سے دوسرے ملک میں لے جاتے تھے، مال کو خریدتے اور بیچتے تھے،
اور دکانیں کھولتے تھے۔

چوتھے کاریگر تھے۔ یہ لوگ ہر قسم کی چیزیں بناتے تھے: روئی
کاتتے اور کپڑا بنتے تھے، مٹی کے برتن بناتے تھے، پیتل کی چیزیں
بناتے تھے، سونے اور ہاتھی دانت کا کام کرتے تھے اور بہت سی
اور چیزیں بناتے تھے۔

یہ لوگ زیادہ تعداد میں شہروں میں رہتے تھے، یا شہروں
کے آس پاس رہتے تھے، لیکن گاؤں میں بھی رہتے تھے۔

سب سے آخر میں پانچویں درجے پر کسان اور مزدور تھے۔ جو
[illegible] کام کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کی تعداد بہت
[illegible] اور [illegible] لوگ تھے۔ وہ جو کچھ پیدا کرتے تھے
[illegible] چھین جھپٹ لیتے تھے۔

(۲۵)

بادشاہ، مندر اور پوجاری

تم کو میرے پچھلے خط سے معلوم ہوا ہوگا کہ آدمیوں کے پانچ درجے بن گئے تھے۔ سب سے بڑی تعداد کسانوں اور مزدوروں کی تھی۔ کسان زمین کو جوتتے بوتے اور اناج پیدا کرتے تھے۔ اگر کسان نہ جوتتے بوتے، اور کوئی زمین کا کام نہ کرتا تو اناج ہی پیدا نہ ہوتا، یا بہت ہی کم اناج پیدا ہوتا۔ اس لئے کسان بہت ضروری تھے۔ اُن کے بغیر سارے آدمی فاقے مر جاتے۔ مزدور بھی زمینوں اور شہروں میں بہت فائدہ مند کام کرتے تھے۔ لیکن یہ لوگ اتنا ضروری کام بھی کرتے تھے اور ہر شخص کو اُن کی ضرورت بھی رہتی تھی۔ مگر پھر بھی اُن ہی لوگوں کو اپنی محنت مزدوری کا سب سے کم حصہ ملتا تھا۔ جو کچھ وہ پیدا کرتے تھے اُس کا بڑا حصہ دوسروں کے پاس چلا جاتا تھا۔ خاصکر بادشاہ اور اُس کے درجے والے لوگوں اور اُس کے بڑے درباریوں کے پاس۔

یہ تو تمھیں معلوم ہو چکا ہے کہ بادشاہوں کے بڑے اختیارات تھے اور اُن کی طاقت زیادہ تھی جب قبیلے بنے ہی بنے تھے تو زمین سارے قبیلے کی ہوتی تھی، کسی ایک آدمی کی نہیں ہوتی تھی۔ مگر جیسے جیسے بادشاہ کے درجے کے لوگوں کے اختیارات اور طاقت زیادہ بڑھی تو اُنھوں نے کہا کہ ساری زمین کے ہم ہی مالک ہیں۔ اس طرح وہ تو زمیندار ہو گئے، اور کسان جو زمین کا سارا کام بڑی محنت سے کرتے تھے، ایک طرح اُن کے نوکر بن کر رہ گئے۔ کسان جو کچھ زمین سے

پیدا کرتے تھے وہ سب تقسیم ہو جاتا تھا، اور بڑا حصہ زمیں دار کو ملتا تھا۔
بعض مندروں کے پاس بھی زمین ہوتی تھی، یوں مندر بھی ایک طرح کے زمین دار تھے۔

آؤ اب یہ دیکھیں کہ مندر اور اُن کے پروہت پوجاری تھے کیا؟ میں نے اپنے ایک خط میں تمھیں یہ بتلایا تھا کہ شروع شروع کے وحشی اور جنگلی آدمیوں نے جب مذہب اور دیوتاؤں کی بابت سوچنا شروع کیا تو بہت سی چیزیں اور باتیں اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آئیں جس چیز کو وہ نہیں سمجھے اُسی سے ڈرنے لگے۔ اُنھوں نے ہر چیز کو دیوتا اور دیوی بنا لیا، جیسے کوئی دریا، یا پہاڑ، یا سورج، یا درخت، یا کوئی جانور، یا کوئی اور چیز۔ جو بات دکھائی نہیں دیتی تھی اُس کو وہ یوں ہی خیال میں ایک چیز جان لیتے تھے، جیسے بھوت، پریت، چونکہ وہ ڈرتے بہت تھے، اس لئے ہمیشہ یہ سوچتے تھے کہ ان کے دیوتا انھیں سزا دینا چاہتے ہیں ان کے دیوتا ان ہی کی طرح بڑے سخت اور بے رحم تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کو خفا نہ ہونے دیں۔ یا ان پہ کوئی چیز بھینٹ چڑھا کر اُن کو خوش رکھیں۔

ان ہی دیوتاؤں کے لئے مندر بننے لگے۔ مندر کے اندر ایک خاص کمرہ رکھا جاتا تھا جو "مندر" (پاک مقدس جگہ) کہلاتی تھی۔ اس کمرے میں اُس دیوتا کا بت رکھا رہتا تھا جس کو وہ پوجتے تھے، جو چیز اُن کو دکھائی نہیں دیتی تھی وہ اُس کو پوج بھی نہیں سکتے تھے یہ تھی بھی ذرا مشکل بات، کہ بغیر دیکھی چیز کو پوجیں۔ تم جانتی ہو کہ ایک چھوٹا سا بچہ اُسی چیز کا دل میں خیال کر سکتا ہے جس کو وہ دیکھتا ہے، شروع زمانے کے لوگ بھی بچوں ہی جیسے تھے۔ وہ بغیر بتوں کے کسی کی پوجا بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لئے وہ اپنے

مندروں میں اُس خیالی چیز کا بُت رکھتے تھے۔ یہ بات عجیب سی ہے کہ یہ بُت عام طور پر ایسے بدصورت ہوتے تھے کہ اُن سے ڈر معلوم ہو جیسے جانور، یا کوئی ایسی چیز جو آدھی جانور ہو اور آدھی آدمی۔ ایک زمانہ تھا کہ مصر میں بلّی کی پوجا ہوتی تھی، ایک اور زمانے میں شاید بندر کی بھی۔ یہ بات سمجھنی بہت مشکل ہے کہ لوگ جانوروں کے خوفناک بُتوں کو کیوں پوجتے تھے۔ اگر بُتوں ہی کو پوجنا تھا تو وہ اُن کو خوبصورت کیوں نہیں بناتے تھے؟ مگر شاید خیال یہ تھا کہ دیوتا کوئی ڈراؤنی چیز ہیں، اس لئے وہ اُن کے ایسے ڈراؤنے بُت بناتے تھے۔

اُس وقت شاید لوگوں کو ایک ہی خدا، یا ایک ہی بہت بڑی طاقت، کا خیال نہیں آیا تھا، جیسا کہ آج کل بہت زیادہ لوگ سمجھتے ہیں۔ اُنھوں نے خیال کیا ہوگا کہ بہت سے دیوتا اور دیویاں ہیں، اور وہ بعض وقت آپس میں لڑتے ہیں۔ مختلف شہروں اور مختلف ملکوں میں الگ الگ دیوتا پوجے جاتے تھے۔

پروہت اور پجاریوں سے مندر بھرے رہتے تھے۔ عام طور پر یہ پروہت پجاری ہی پڑھنا اور لکھنا جانتے تھے، دوسرے آدمیوں سے تو ضرور ہی زیادہ پڑھے لکھے ہوتے تھے۔ اس لئے بادشاہ اُن سے مشورے لینے لگے۔ اُن دنوں یہی پروہت پجاری کتابیں لکھتے یا نقل کرنے لگے۔ چونکہ یہ کچھ علم بھی جانتے تھے، اس لئے وہ اُس زمانے میں بڑے مقدّس سمجھے جاتے تھے۔ وہ دوا علاج بھی کیا کرتے تھے۔ یہ دکھلانے کے لئے کہ وہ کتنے بڑے ہوشیار ہیں اور لوگوں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے وہ اکثر کچھ ہتھکنڈے بھی دکھلایا کرتے تھے۔ لوگ بالکل سیدھے اور اَن پڑھ تو ہوتے ہی تھے، تو وہ اُن پروہتوں پجاریوں کو جادوگر سمجھتے تھے اور اُن سے ڈرا کرتے تھے۔

پروہت کام کاج میں ہر طرح کے آدمیوں سے ملے جلے رہتے تھے۔ وہ عقلمند تو سمجھے ہی جاتے تھے، اس لئے جب آدمی کسی تکلیف میں پھنستے یا بیمار ہوتے تو اُن ہی کے پاس جایا کرتے تھے۔ لوگوں کے واسطے وہی بڑے بڑے تہوار قائم کرتے تھے۔ اس زمانے میں جنتریاں نہیں ہوتی تھیں، خاص کر عام آدمیوں کے لئے، اس لئے تہواروں کا حساب بھی وہی لگا کر بتلاتے تھے۔

پروہت اکثر لوگوں کو پھسلاتے اور دھوکے دیا کرتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ اُن کی مدد بھی کرتے تھے اور کئی طریقوں سے اُنھیں ترقی کرنے کے راستوں پر بھی ڈال دیتے تھے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ بعض جگہ جب لوگ بسے ہی بیٹھے ہوں، تو پروہت ہی اُن کے بادشاہ رہے ہوں۔ بعد کے زمانے میں بادشاہوں نے آکر پروہتوں کو نکال باہر کیا ہو، کیونکہ بادشاہ زیادہ اچھی طرح لڑنے والے تھے۔ بعض جگہ ایک ہی آدمی بادشاہ ہوتا تھا اور پروہت بھی، جیسے مصر کے فرعون تھے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں آدھے سے زیادہ دیوتا سمجھے جاتے تھے، اور جب مر جاتے تھے تو اُن کو دیوتاؤں کی طرح پوجا جاتا تھا۔

(۲۶)

پچھلی باتوں پر ایک نظر

تم میرے خطوں سے تھک تو نہیں گئیں؟ میں جانتا ہوں کہ تم کو کچھ سستانے کی ضرورت ہے۔ اچھا اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اس وقت تو تم یہ سوچو کہ ہم کیا کچھ کر چکے ہیں۔ میں تمھیں بہت دنوں تک کوئی نئی بات نہیں لکھوں گا۔ میں نے تھوڑے سے خطوں میں کئی لاکھ برس کے عرصے پر نظر ڈال لی ہے۔ ہم نے اس وقت سے شروع کیا تھا، جب زمین سورج کا ایک ٹکڑا تھی۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ وہ سورج سے الگ ہو کر کس طرح آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی۔ پھر زمین سے کٹ کر چاند کس طرح الگ ہو گیا۔ مدتوں تک زمین پر کوئی جاندار نہ تھا۔ پھر لاکھوں، کروڑوں برس کے بعد آہستہ آہستہ جاندار پیدا ہونے شروع ہوئے۔ تم کچھ قیاس بھی کر سکتی ہو کہ لاکھوں، کروڑوں برس کا عرصہ کتنا ہوتا ہے؟ لاکھوں برس کے عرصے کا اندازہ کرنا بہت ہی سخت مشکل بات ہے۔ تم ابھی دس ہی برس کی ہو۔ اتنے ہی دنوں میں کتنی بڑی ہو گئی ہو، اب تم ذرا سی بچی نہیں رہی ہو، خاصی اچھی چھوٹی سی "لیڈی" ہو گئی ہو! تمھارے لئے سو برس بھی بہت ہوتے ہیں۔ پھر کہاں ہزار برس! اور دسیوں لاکھ برس کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں! ذرا سوچو تو سہی، دس لاکھ برس کتنے ہوئے؟ ہزار گنے ہزار برس! اُف ہمارا چھوٹا سا سر بھلا اس کا کیا اندازہ کر سکے گا! اس پر بھی ہم اپنے آپ کو بہت ہی بڑا سمجھتے ہیں! مزہ یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں تو ہم کو گھبرا اور پریشان کر دیتی ہیں لیکن دنیا میں جو چھوٹی چھوٹی باتیں ہو گزری ہیں وہ دنیا کی اتنی لمبی چوڑی تاریخ

کے مقابلہ میں کیا چیز ہیں؟ مگر دنیا کے اس لمبے چوڑے عرصے کی باتیں پڑھنے اور
سوچنے سے ہمیں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی چیزوں اور باتوں
سے کچھ بہت نہیں گھبرا اٹھتے۔

ہم کو ذرا اس بے حد لمبے زمانے کا خیال کرنا چاہیے۔ جب دنیا میں
کوئی کسی طرح کا جاندار تھا ہی نہیں پھر اس بہت ہی پرانے زمانے کو
یاد کرو، جب صرف سمندر ہی میں جاندار پیدا ہوئے۔ زمین کے پردے پر
کہیں بھی آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ پھر وہ زمانہ آتا ہے کہ جانور پیدا ہوتے
ہیں اور لاکھوں برس تک اس پر بے فکر گھومتے رہتے ہیں! انہیں کوئی
بھی آدمی ایسا نہیں ملتا جو ان کا شکار کرے، یا ان کو مار ڈالے۔ اور پھر
وہ وقت یاد کرو جب آدمی پیدا ہوتا ہے تو وہ کیسی چھوٹی سی حقیر چیز ہوتا
ہے۔ سارے جانوروں میں سب سے زیادہ کمزور۔ ہزاروں برس کے عرصے
میں آہستہ آہستہ وہ زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے اور زیادہ عقل پکڑتا ہے!
یہاں تک کہ زمین کے سارے جانوروں کا آقا اور مالک ہو جاتا ہے۔ تمام
جانور اس کے ایسے نوکر اور غلام ہو جاتے ہیں کہ آدمی جو کچھ چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے

اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے کہ تہذیب بڑھتی ہے۔ ہم اس کی شروع کی
حالت دیکھ ہی چکے ہیں۔ اب ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ کیسے اس تہذیب
کی کیا حالت ہوئی۔ اب ہم کو لاکھوں برس کا زمانہ طے نہیں کرنا ہے۔ میں اپنے
پچھلے خطوں میں اس زمانے تک پہونچ گیا ہوں جو اب سے صرف چار یا پانچ
ہزار برس پیشتر کا ہے۔ ہم کو پچھلے لاکھوں برس کے مقابلے میں ان چار یا پانچ
ہزار برس کا حال زیادہ معلوم ہے۔ تاریخ اور انسانوں کی ترقی دراصل انہی
چار یا پانچ ہزار برس میں ہوئی ہے۔ جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو اس تاریخ
کے زمانے کا بہت کچھ حال معلوم کرو گی۔ میں بہت تھوڑا سا حال بیان
کروں گا کہ تم کو اس کا صرف ذرا سا اندازہ ہو جائے کہ ہماری اس چھوٹی سی
دنیا میں انسانوں پر کیا کیا گذری۔

(۲۷)

پتھر ہو جانے والی مچھلیوں کی تصویریں

میں تم کو کچھ تصویریں پوسٹ کارڈ بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ تم میرے پہلے اور دوسرے پچھلے خطوں سے اُن کو زیادہ پسند کرو گی!

ان کارڈوں پر ان مچھلیوں کی تصویریں ہیں، جو پتھر کی ہو گئی ہیں۔ یہ لندن کے عجائب خانے میں رکھی ہیں۔ یہ پتھر بنی ہوئی مچھلیاں تم نے دیکھی ہوں گی۔ بہر حال ان تصویروں سے تمھیں یہ معلوم ہو گا کہ پرانے زمانے کی مچھلیوں کی ہڈیاں کیسی تھیں۔

جیسا کہ میں تمھیں بتا چکا ہوں، یہ پرانے زمانے کے جانوروں اور پودوں کے خول ہیں جو ہم کو چٹانوں اور اور جگہوں میں ملتے ہیں۔ جانوروں کے بدن کے نرم حصے تو باقی نہیں رہے، مگر سخت اور ہڈی والے حصے بہت عرصے تک کے لئے باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے بہت زیادہ جانوروں پر سمندر کی تہ میں نرم مٹی آ گئی! اس طرح وہ حفاظت سے رہ گئے۔ نرم مٹی ہوتے ہوتے سخت ہو گئی اور سمندر کی سطح ابھر کر خشک زمین ہو گئی۔ وہیں سے یہ پتھر بنی ہوئی چیزیں نکلی ہیں! اور ہم کو خشک حالت میں ملی ہیں۔

یہ اُن ہی پتھر بنی ہوئی چیزوں کی تصویریں ہیں، جو چٹانوں میں تھیں۔ یہ تصویریں بہت صاف نہیں ہیں۔ وہ تو صرف خول ہی ہیں؛ یعنی اصل پتھر بنے ہوئے جانوروں کے صرف خاکے۔

ایک خاکے میں تو مچھلی کے صرف دانت ہی دانت نظر آتے

ہیں۔

میرا یہ خیال ہے کہ سب سے زیادہ مزے دار تصویریں وہ ہیں جو صفحہ ۲۵ اور ۳۱ پر دی گئی ہیں۔ یہ صاف صاف دکھلاتی ہیں کہ مچھلیوں نے اپنے نشان چٹانوں پر کیسے چھوڑے ہیں۔ ان ہی نشانوں سے اب لاکھوں برس کے بعد ہم یہ بتلا سکتے ہیں کہ کس زمانے میں یہ مچھلیاں موجود تھیں۔

---

(۲۸)

پتھر بنی ہوئی چیزیں اور کھنڈر

میں نے تمھیں بہت دنوں سے خط نہیں لکھا پچھلے دو خطوں
میں ہم اُس پُرانے زمانے پر نظر دوڑا رہے تھے، جس کا حال میں اپنے
پہلے خطوں میں لکھ چکا تھا۔ میں نے تمھیں کچھ پوسٹ کارڈ بھیجے تھے جن
میں پتھر بنی ہوئی مچھلیوں کی تصویریں تھیں، تاکہ تم معلوم کر سکو کہ یہ پتھر
چیزیں کیسی ہوتی ہیں۔ جب ہم دونوں مسوری میں ملے تھے تو میں نے
پتھر بنی ہوئی چیزوں کی تصویریں دکھلائی تھیں۔

تمھیں خاصکر رینگنے والے جانوروں کی تصویریں یاد ہوں گی،
جو پتھر بنے ہوئے تھے۔ عام طور پر رینگنے والے جانور وہ کہلاتے ہیں،
جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ جیسے آج کل سانپ، چھپکلی، مگر مچھ، کچھوے
وغیرہ چلتے ہیں۔ پُرانے زمانے میں رینگنے والے جانور اُسی قسم کے تھے
جیسے آج کل کے۔ لیکن اُن سے مختلف ہوتے تھے اور بہت بڑے بڑے
تھے۔ وہ دیوؤں جیسے بڑے خوفناک جانور یاد ہوں گے جو ہم نے
لندن کے عجائب خانے میں دیکھے تھے۔ اُن میں سے ایک تو تیس یا چالیس
فٹ لمبا تھا۔ وہیں ایک قسم کا ایک مینڈک تھا، جو آدمی سے بھی بڑا تھا۔
ایک کچھوا تھا، جو اتنا ہی بڑا تھا۔ بہت ہی بڑی بڑی چمگادڑیں تھیں،
جو اُڑتی پھرا کرتی ہوں گی، ایک اور جانور تھا جو "اگوانوڈان" کہلاتا
تھا، مگر اب دنیا بھر میں کہیں نہیں رہا۔ جب یہ کھڑا ہوتا تھا تو اُس
کے پاؤں اتنے بڑے ہوتے تھے جیسے چھوٹا سا درخت۔

تم نے پتھر پودے بھی دیکھے تھے چٹانوں کے پتھروں پر بیلوں،

پتّوں اور تاڑ کے درختوں کی خوبصورت تصویریں بھی وہاں دیکھی تھیں۔

رینگنے والے جانوروں کے پیدا ہونے کے بہت زمانے کے بعد وہ جانور پیدا ہوئے جو اپنے بچّوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ اکثر جانور جو ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں، بلکہ خود ہم انسان بھی دودھ ہی پلانے والے جانور ہیں۔ پُرانے اور آجکل کے دودھ پلانے والے جانوروں میں کچھ زیادہ فرق نہیں، ہاں وہ بڑے ڈیل ڈول کے ضرور ہوتے تھے، ایسے بڑے بھی نہیں جیسے رینگنے والے جانور۔ بڑے بڑے دانتوں والے ہاتھی تھے اور بہت بڑے قد کے [illegible] بھی۔

تم نے آدمیوں کے متحجّر خول بھی دیکھے تھے۔ وہ کچھ زیادہ دلچسپ نہیں تھے کیونکہ عام طور پر اُن میں ہڈیاں تھیں یا کھوپڑیاں اُن سے زیادہ مزیدار تو وہ پتھر کے اوزار اور ہتھیار تھے جن کو شروع زمانے کے لوگوں نے بنایا تھا۔

میں نے تمہیں مصر کے مقبروں اور [illegible] کی بڑی اچھی تصویریں بھی دکھلائی تھیں، تمہیں یاد ہوگا کہ ان میں سے کچھ بڑی خوبصورت تھیں۔ لکڑی کے تابوتوں کے صندوقوں پر وہاں کے لوگوں کے لمبے چوڑے قصّے لکھے ہوئے تھے۔ مصر کے پرانے شہر تھیبس کے مقبروں کی دیواروں پر جو تصویریں ہیں وہ اور بھی مزیدار ہیں۔

تھیبس ہی میں محلوں اور مندروں کے کھنڈروں کی تصویریں بھی تم نے دیکھی تھیں۔ یہ بہت ہی بڑی عمارتیں تھیں اور اُن کے بڑے بڑے ستون تھے۔ تھیبس ہی کے پاس میمنون کا بت ہی [illegible] تھا۔

پرانے مصر کے شہر کارنک، مندروں اور عمارتوں کے کھنڈروں کی تصویریں بھی تم نے دیکھی تھیں۔ ان کھنڈروں ہی سے تم خیال کر سکتی ہو کہ مصر والے کتنے بڑے اور اچھے راج معمار تھے اگر وہ انجنیئری اور معماری نہ جانتے ہوتے تو وہ اتنے بڑے مندر اور محل کیسے بنا سکتے تھے۔

اب ہم پچھلے زمانے پر نظر دوڑا چکے۔ اب اگلے خط سے میں اور آگے بڑھونگا۔

(۴۹)

آریوں کا ہندوستان میں آنا

اب تک ہم بہت ہی پرانے زمانے کا ذکر کرتے آرہے ہیں۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ آدمی نے کیسے ترقّی کی اور اُس نے کیا کیا کیا۔ یہ پُرانا زمانہ "زمانہ قبل از تاریخ" کہلاتا ہے! یعنی تاریخ سے پہلے کا زمانہ! کیونکہ اُس زمانے کی کوئی تاریخ تو ہے ہی نہیں۔ اُس زمانے کے حالات بیان کرنے میں ہم کو بہت کچھ قیاس سے کام لینا پڑا ہے۔ اب ہم تاریخ کے کنارے کے پاس تک پہونچ گئے ہیں۔

آؤ یہ دیکھیں کہ ہندوستان میں پہلے کیا تھا۔ ہم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بہت پُرانے زمانے میں، مصر کی طرح، ہندوستان میں بھی تہذیب تھی، یہاں تجارت ہوتی تھی، اور ہندوستان کا مال لے کر یہاں سے جہاز مصر اور عراق عرب اور دوسرے ملکوں میں جاتے تھے۔ اُن دنوں جو آدمی ہندوستان میں رہتے تھے وہ "دراوڑ" کہلاتے تھے۔ اُن ہی لوگوں کی اولاد دکھن میں، اور مدراس کے اردگرد، بستی ہے۔

ان دراوڑوں پر آریوں نے شمال کی طرف سے حملہ کیا۔ اُس زمانے میں آریہ لوگ بہت ہی بڑی تعداد میں وسط ایشیا میں رہتے ہوں گے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ سارے آدمیوں کے کھانے کو پورا پورا نہیں ملتا تو وہ سب اور ملکوں میں پھیل گئے۔ اُن کی بڑی تعداد ایران، بلکہ یونان اور اُس سے بھی آگے، مغرب کی طرف چلی گئی۔ اُن کی ایک بھیڑ کی بھیڑ کشمیر کے قریب کے پہاڑوں سے گزرتی ہوئی ہندوستان

میں بھی پہونچی۔
آریہ لوگ مضبوط اور لڑاکا تھے۔ انھوں نے دراوڑوں کو مار بھگایا۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمال مغرب کی طرف سے دَل کے دَل آریوں کے
ہندوستان میں آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو دراوڑوں نے
اُن کا مقابلہ کرکے اُن کو روکا، لیکن جب وہ اور زیادہ زیادہ تعداد میں
پہنچنے لگے تو وہ نہ روک سکے۔ مدّتوں تک تو آریہ شمال ہی میں رہے
یعنی افغانستان اور پنجاب میں پھر وہ اور آگے بڑھے، اور وہاں پہونچے
جو آجکل یو پی (صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ) کہلاتا ہے۔ اسی صوبے میں
ہم رہتے ہیں۔ وہ پھیلتے ہی چلے گئے، یہاں تک کہ بندھیاچل کے
پہاڑ تک پہنچے (جو صوبۂ متوسط میں ہے۔ بندھیاچل کے پہاڑوں سے
گزرنا مشکل تھا، کیونکہ وہاں گھنے جنگل تھے اس لئے آریوں کو کچھ عرصے
کے لئے بندھیاچل کے شمال ہی میں رُکے رہنا پڑا۔ مگر بہت سے آریہ
کسی نہ کسی طرح بندھیاچل سے گزر کر دکھن میں بھی جا پہنچے، لیکن
اُن کے دَل کے دَل بڑی تعداد میں نہ جا سکے، اس لئے دکھن کا ملک
زیادہ تر دراوڑوں ہی کے ہاتھ میں رہا۔
آریوں کے ہندوستان میں آنے کے متعلق غور کرنا بڑی مزیدار بات
ہے۔ اس کا بہت کچھ حال تم کو ہماری سنسکرت کی کتابوں میں ملے گا۔
ان میں سے تھوڑی سی کتابیں، جیسے وید ہیں، اسی زمانہ کے قریب لکھی
گئی ہوں گی سب سے پُرانا وید، رگ وید ہے۔ اس کو پڑھ کر تم کچھ اندازہ
کر سکوگی کہ ہندوستان کے جس حصّے پر آریوں نے قبضہ کیا تھا، وہ کیسا
تھا۔ ویدوں اور پُرانی سنسکرت کی کتابوں سے، جیسے پران ہیں، تم کو یہ
معلوم ہوگا کہ آریہ لوگ پھیلتے ہی چلے گئے۔ شاید تمھیں ان پُرانی کتابوں
کا بہت حال معلوم نہیں ہے۔ جب تم بڑی ہوگی تو تمھیں بہت کچھ معلوم

ہو جائے گا۔ لیکن پھر بھی اُن بہت سی کہانیوں کو تو جانتی ہی ہو جو پُرانوں سے نکلی ہیں اُس کی بہت مدت کے بعد رامائن جیسی کتاب لکھی گئی اور پھر مہابھارت۔

اِن کتابوں سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آریہ صرف پنجاب اور افغانستان ہی میں رہتے تھے، تو وہ ہندوستان کے اُس حصّے کو "برہما ورت" کہتے تھے۔ اُن دنوں افغانستان کو "گاندھارا" کہتے تھے۔ کیا تمھیں یاد نہیں ہے کہ مہابھارت میں ایک عورت کا نام گاندھاری آتا ہے؟ اُس کا یہ نام اس لیے ہوا کہ وہ گاندھارا، یا افغانستان کی تھی، اس زمانے میں تو افغانستان ایک الگ مُلک ہے مگر اُن دنوں افغانستان اور ہندوستان دونوں ایک ہی مُلک تھا۔

جب آریہ لوگ گنگا اور جمنا کے بیچ کے میدانوں میں پہنچے تو اُنھوں نے سارے شمالی ہندوستان کا نام "آریہ ورت" رکھ دیا۔

پُرانے زمانے کے اور لوگوں کی طرح وہ اُن شہروں میں بسے، جو دریاؤں کے کنارے تھے، کاشی، یا بنارس اور پریاگ، یا الہ آباد، اور بہت سے اور شہر دریاؤں ہی کے کنارے بسے ہوئے ہیں۔

(۳۰)

ہندوستان کے آریہ کیسے تھے

آریوں کو ہندوستان میں آئے بہت زمانہ ہوا۔ اس میں تو شک نہیں کہ وہ سب کے سب ایک ساتھ ہی تو نہیں آ گئے ہوں گے۔ اُن کے ایک دَل کے بعد دوسرا، ایک قبیلے کے بعد دوسرا اور ایک کنبے کے بعد دوسرا، سیکڑوں برس تک آتا رہا ہوگا۔ ذرا خیال تو کرو کہ اُن کا ہر ایک لمبا قافلہ اِس طرح آیا ہوگا کہ اُن کے گھر بار کا سارا سامان گاڑیوں، بیلوں اور گھوڑوں پر لدا چلا آرہا ہے! وہ اس طرح تھوڑے ہی آئے ہوں گے، جیسے آجکل کے سیّاح آتے ہیں کہ ہندوستان کی سیر کی اور اپنے گھر بھاگ گئے۔ وہ یہاں رہنے سہنے، پلنے اور مرنے کے واسطے آئے تھے۔ جیسا کہ میں تمھیں بتلا چکا ہوں، وہ ہندوستان کے شمال مغرب کے پہاڑوں پر سے گزر کر آئے تھے۔ لیکن شاید کچھ لوگ خلیج فارس ہوتے ہوئے سمندر ہی سمندر اپنے چھوٹے چھوٹے جہازوں کو لئے ہوئے دریائے سندھ میں داخل ہوئے ہوں گے۔

یہ آریہ کیسے تھے؟ ہم اُن کا بہت کچھ حال اُن کتابوں سے جان سکتے ہیں جو اُنھوں نے لکھی تھیں۔ اُن میں سے چند کتابیں جیسے ویدیں، شاید دُنیا میں سب سے پُرانی کتابیں ہیں۔ غالباً شروع شروع میں وہ لکھی نہیں گئی تھیں بلکہ اُن کو لوگ زبانی یاد کر لیتے تھے اور دوسروں کو سُناتے تھے یا دوسروں کے سامنے گاتے تھے۔ اُن کی سنسکرت کی زبان اتنی پیاری ہے کہ تم اُن کو گا بھی سکتی ہو۔ اگر کوئی آدمی سنسکرت

جانتا ہو اور اُس کی آواز بھی اچھی ہو تو ویدوں کے سُننے سے جی خوش ہوتا ہے۔ ویدوں کو ہندو بڑی مقدس کتاب سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ "وید" کے کیا معنی ہیں؟ "وید" کے معنی ہیں علم۔ ویدوں میں وہ علم ہے جس کو اُس زمانے کے عقلمند آدمیوں نے جو رِشی اور مُنی کہلاتے ہیں حاصل کیا تھا۔ بے شک اُن دنوں ریل، تار اور سینما تو نہیں تھے۔ مگر اُس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ لوگ جاہل، اَن پڑھ تھے۔ بعض آدمی تو یہ خیال کرتے ہیں کہ اُس زمانے کے آدمی آجکل کے آدمیوں سے زیادہ عقلمند تھے۔ وہ زیادہ عقلمند ہوں یا نہ ہوں، مگر اُنھوں نے ایسی عجیب و غریب کتابیں لکھی ہیں جو پڑھنے والوں کو حیران کر دیتی ہیں! یہی بات اس کو ظاہر کرتی ہے کہ پُرانے زمانے کے لوگ کتنے بڑے آدمی تھے۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، پہلے وید لکھے نہیں گئے تھے۔ اُن کو زبانی یاد کر لیا جاتا تھا؛ اور ایک پُشت کے لوگ دوسری پُشت والے کو زبانی سکھا دیتے تھے۔ اُن دنوں میں اُن لوگوں کا حافظہ (یاد رکھنے کی قوّت) بہت ہی اچھا ہو گا۔ ہم میں سے کتنے آدمی ایسے ہیں جو ایک پوری کتاب کو زبانی یاد کر لیں؟

جس زمانے میں وید لکھے گئے تھے وہ "ویدوں کا زمانہ" کہلاتا ہے۔ پہلا وید رِگ وید ہے۔ اس میں بھجن اور گیت ہی گیت ہیں جن کو پُرانے آریہ گایا کرتے تھے۔ وہ لوگ بڑے خوش مزاج ہوں گے۔ روکھے پھیکے اور اُداس نہ ہوتے ہوں گے۔ بلکہ خوش رہتے ہوں گے اور ساتھ ہی ہمّت والے بھی ہوتے ہوں گے۔ جب خوش ہوں گے تو پیارے پیارے گیت بناتے اور اُن دیوتاؤں کے سامنے گاتے ہوں گے جن کو وہ پوجتے تھے۔

انھیں خود اپنے اوپر اور اپنی قوم پر بڑا غرور تھا۔ لفظ "آریہ" کے معنی ہیں شریف آدمی یا اونچے درجے والے کے ہیں۔ وہ آزادی کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ وہ اپنی اس اولاد کی طرح نہ تھے، جو آج کل ہندوستان میں بس رہی ہے کہ ان میں نہ کسی طرح کی ہمت ہے نہ اپنی آزادی چھن جانے کا افسوس ہے۔ پرانے زمانے کے آریوں کے لئے تو بے عزتی اور غلامی موت سے بھی بڑی تھی۔

آریہ بڑے اچھے لڑنے والے تھے۔ وہ کچھ سائنس بھی جانتے تھے، کھیتی باڑی تو خوب جانتے تھے۔ وہ پیدائش ہی سے کھیتی باڑی کی بڑی قدر کرتے تھے، اور جو چیز کھیتی باڑی میں مدد دیتی تھی اس کا ادب کرتے تھے۔ چونکہ بڑے بڑے دریا انھیں پانی دیتے تھے وہ ان کا بھی ادب کرتے تھے اور ان کو اپنا بڑا دوست اور مربی جانتے تھے۔ بیل اور گائے دونوں، ان کو کھیتی اور روزانہ کاروبار میں بہت مدد دیتے تھے۔ چونکہ گائے انھیں دودھ دیتی تھی اس کی وہ بہت قدر کرتے تھے۔ اسی لئے وہ ان جانوروں کی خاص طور پر خدمت کرتے تھے اور ان کی تعریفیں کرتے تھے۔ مدتوں کے بعد گائے کی عزت کا اصلی سبب تو لوگ بھول گئے اور اس کو اس طرح پوجنے لگے کہ جیسے وہ کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

چونکہ آریہ اپنے آپ پر بہت مغرور تھے اور اپنے آپ کو سب سے اچھا جانتے تھے، اس لئے وہ اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کا خون ہندوستان کے اور رہنے والوں سے نہ مل جائے۔ اسی لئے انھوں نے ایسے قاعدے قانون بنائے کہ وہ دوسروں سے نہ ملنے پائیں۔ اسی سبب سے کوئی آریہ دوسرے لوگوں میں شادی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے مدتوں کے بعد اسی سے بڑھتے بڑھتے

ذات پات بن گئی، جو آج کل ذات برادری کہلاتی ہے۔ اب تو یہ ایسی
بری چیز بن گئی ہے کہ اس پر ہنسی آتی ہے۔ بعض آدمی تو دوسروں سے
چھوئے جانے اور دوسروں کے ساتھ کھانے پینے سے ڈرتے
ہیں۔ خوش قسمتی سے اب یہ وہم روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔

---

(۳۱)

رامائن اور مہابھارت

ہندوستان میں وید کے زمانے یعنی اُس زمانے کے بعد جس میں وید لکھے گئے تھے "بہادری کا زمانہ" آیا۔ یہ اس لئے بہادری کا زمانہ کہلاتا ہے کہ اس میں دو بڑے واقعے پیش آئے اور دو بڑی بڑی نظمیں لکھی گئیں جن میں بڑے بڑے بہادروں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ یہ دو کتابیں رامائن اور مہابھارت ہیں۔ ان دونوں کو تم جانتی ہی ہو۔

بہادری کے زمانہ میں آریہ لوگ سارے شمالی ہندوستان میں بندھیاچل کے پہاڑوں تک پھیل چکے تھے۔ جیسا کہ میں تمہیں بتلا چکا ہوں، ملک کا یہ حصہ "آریہ ورت" کہلاتا تھا جو علاقہ آج کل یو پی کہلاتا ہے وہ ان دنوں "مدھیہ دیش" یا "درمیانی ملک" کہلاتا تھا۔ بنگال کو "ونگ دیش" کہتے تھے۔

ایک مزیدار بات بتلاتا ہوں جس کو تم معلوم کر کے خوش ہوگی۔ اگر تم ہندوستان کے نقشے پر نظر ڈالو اور یہ سوچو کہ ہمالیہ پہاڑ اور بندھیاچل پہاڑ کے درمیان میں آریہ ورت کہاں تھا تو تم دیکھو گی کہ یہ علاقہ ہلال (آدھے چاند) کی صورت کا سا ہے۔ اس لئے آریہ ورت "چاند کا علاقہ" کہلاتا ہے۔ اندو[1] کے معنی چاند کے ہیں۔

---

[1] اندرا کا پیار کا نام جس سے وہ اب تک پکاری جاتی ہے "اندو" ہے۔

آریہ ورت بھی "ہندوستان" کہلاتا تھا۔

آریہ لوگوں کو ہلال کا بہت شوق تھا جو جگہیں ہلال کی شکل کی ہوتی تھیں۔ اُن کو وہ مقدس سمجھتے تھے۔ اُن کے بہت سے شہر ہلال ہی کی شکل کے تھے، جیسے بنارس ہے، نہ معلوم تمھیں خبر ہے یا نہیں کہ الہ آباد میں گنگا بہتی ہوئی ہلال کی شکل بناتی ہے۔

تم جانتی ہو کہ رامائن میں رام چندر اور سیتا اور اُن کی راون سے لڑائی کا قصہ ہے۔ راون لنکا کا بادشاہ تھا، آج کل لنکا کو سیلون کہتے ہیں۔ رامائن کی کہانی کو شاعر نے سنسکرت میں لکھا تھا۔ بعد کو اور زبانوں میں بھی یہ کہانی لکھی گئی ہے۔ سب سے اچھی رامائن تلسی داس کی ہے۔ اُس کو اُنھوں نے ہندی میں لکھا۔ اور اُس کا نام "رام چرت مانس" رکھا تھا۔

رامائن میں لکھا ہے کہ دکھن میں بندروں نے رام چندر کی مدد کی تھی اور ہنومان لنگوروں کا بڑا بہادر سردار تھا۔ ممکن ہے کہ رامائن میں جو کہانی بیان کی گئی ہے وہ آریوں کی دکھن کے رہنے والے لوگوں سے لڑائی کا قصہ ہو۔ راون دکھن والوں کا سردار تھا۔ غالباً دکھنی لوگوں کو جو کالے رنگ کے ہیں، لنگور کہا گیا ہے۔

رامائن میں بڑی پیاری پیاری کہانیاں ہیں، مگر یہاں اُن کے ذکر کرنے کا موقع نہیں ہے۔ بڑی ہو کر تم اُن کو خود ہی پڑھ لینا۔

رامائن کے بہت دنوں کے بعد مہا بھارت لکھی گئی۔ یہ رامائن سے بھی بڑی کتاب ہے۔ اس میں آریوں اور دراوڑوں کی لڑائی کا قصہ نہیں ہے، بلکہ ایک بہت بڑی لڑائی کا ذکر ہے جس میں دونوں طرف آریہ ہی تھے۔ لڑائی کو اگر چھوڑ بھی دو تو ویسے بھی یہ عجیب و غریب کتاب ہے۔ اس میں عجیب عجیب باتیں اور بڑی اچھی اچھی

کہانیاں ہیں۔ یہ کتاب ہمیں سب سے زیادہ اِس لئے عزیز ہے کہ اِسی میں وہ نظم ہے جس کو "بھگود گیتا" کہتے ہیں اور وہ جواہر سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو ہندوستان میں اب سے ہزاروں برس پہلے لکھی گئی تھیں۔ اُن کو سوا بہت بڑے آدمی کے اور کون لکھ سکتا ہے؟ اگرچہ وہ اتنی مدّت پہلے لکھی گئی تھیں، مگر وہ آج بھی ہندوستان میں زندہ ہیں۔

تمّت